الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی اور علمی ترجمان

ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور

اگست ۲۰۱۴ء

جدید طبی تحقیق کے مطابق موبائل کی وجہ سے ذہنی و نفسیاتی مریضوں کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے، موبائل کی وجہ سے بلڈ پریشر، دل کا دورہ اور چڑچڑاپن جیسی بیماریاں پہلے کے مقابلہ میں بڑھتی جا رہی ہیں اور یہ چڑچڑاپن گھریلو تناؤ کا سبب بن رہا ہے۔

موبائل کا ایک خطرناک پہلو یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعہ حاملہ عورت اور اس کے پیٹ میں پرورش پانے والے بچے کی صحت و اخلاق پر بہت برا اثر پڑ رہا ہے۔ موبائل بجلی سے چلتا ہے، موبائل کو پہلے بجلی سے چارج کیا جاتا ہے، موبائل کو اندر کرنٹ اور بجلی کی شعاعیں بھری رہتی ہیں اور بجلی کی یہ شعاعیں عام آدمی کے لیے بھی نقصان دہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر موبائل کو سینے کے پاس جیب میں رکھنے سے منع کرتے ہیں، کیوں کہ اس سے ہارٹ کا مرض پیدا ہونے کا اندیشہ رہتا ہے۔ آج موبائل سے نکلنے والی شعاعیں حاملہ عورت اور اس کے جنین (پیٹ میں پرورش پانے والا بچہ) کی صحت کو مفلوج اور ناکارہ بنا رہی ہیں۔

مبارک حسین مصباحی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیادگار: حضور حافظِ ملت علامہ شاہ الحاج عبدالعزیز قدس سرہٗ بانی الجامعۃ الاشرفیہ

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی اور علمی ترجمان

ماہنامہ اشرفیہ
مبارکپور

زیرِ سرپرستی:
عزیزِ ملت حضرت علامہ شاہ الحاج عبدالحفیظ صاحب قبلہ
سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ

شوال ۱۴۳۵ھ | اگست ۲۰۱۴ء | جلد نمبر ۳۸ شمارہ ۸

مجلس ادارت

مدیر اعلیٰ: مبارک حسین مصباحی

نائب مدیر: محمد طفیل احمد مصباحی

منیجر: محمد محبوب عزیزی

تزئین کار: مہتاب پیامی

مجلسِ مشاورت

مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی

مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی

مولانا محمد ادریس بستوی مصباحی

مولانا عبدالمبین نعمانی مصباحی

ترسیل زر و مراسلت کا پتہ

دفتر ماہنامہ اشرفیہ، مبارکپور
اعظم گڑھ یو۔پی۔ ۲۷۶۴۰۴

THE ASHRAFIA MONTHLY
Mubarakpur. Azamgarh
(U.P.) India. 276404

قیمت عام شمارہ: 20 روپے
سالانہ: 200 روپے

کوڈ نمبر ———— 05462
دفتر ماہنامہ اشرفیہ ———— 250149
الجامعۃ الاشرفیہ ———— 250092
دفتر اشرفیہ ممبئی فون/فیکس 23726122

سری لنکا، بنگلا دیش، پاکستان، سالانہ
500 روپے
دیگر بیرونی ممالک
$ 20 امریکی ڈالر £ 15 پونڈ

چیک اور ڈرافٹ
بنام
مدرسہ اشرفیہ
بنوائیں

نوٹ: آپ ماہنامہ اشرفیہ ہر ماہ انٹرنیٹ پر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

http://www.aljamiatulashrafia.org   E.mail: ashrafiamonthly@gmail.com

مولانا محمد ادریس مصباحی نے نشاط آفسیٹ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور، اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

مشمولات

اداریہ	موبائل ایک ذہنی اور نفسیاتی بیماری	مبارک حسین مصباحی	۳
	تحقیقات		
فقہی تحقیق	تقدیرِ اوقات (قسط: ۳)	مولانا شمس الہدیٰ مصباحی	۶
تحقیق و تنقید	نماز کی حالت میں سینہ پر ہاتھ رکھنے والی روایات	ازہار احمد امجدی مصباحی	۱۱
	فقہیات		
آپ کے مسائل	کیا فرماتے ہیں....	مفتی محمد نظام الدین رضوی	۱۷
	نظریات		
فکر امروز	اہلِ سنت میں اسلوبیاتی بحران ایک جائزہ	محمد عابد چشتی	۱۹
	اسلامیات		
شعاعیں	طہارت: فطرت کا ایک اہم تقاضا	محمد آصف اقبال	۲۳
بزمِ تصوف	احیائے تصوف کی دعوت: چند قابلِ غور پہلو	ذیشان احمد مصباحی	۲۹
	شخصیات		
انوارِ حیات	امام اعظم ابوحنیفہ کے چند اجتہادی مسائل	مفتی بدر عالم مصباحی	۳۲
انوارِ ذات	مفتی محمد ارشاد حسین فاروقی: حیات و خدمات (آخری قسط)	مولانا نفیس احمد مصباحی	۳۵
	سیاسیات		
آئینۂ عالم	عراق جنگ کو غلط رخ دینے کی کوشش	صابر رضا رہبرؔ	۴۲
	بزمِ دانش		
فکر و نظر	موجودہ مرکزی حکومت اور مسلم قائدین	صابر رضا رہبر/ العربیہ ڈاٹ نیٹ	۴۴
	ادبیات		
نقد و نظر	رشحاتِ قلم	مبصر: محمد طفیل احمد مصباحی	۴۸
خیابانِ حرم	کیا کم ہے...	عبد الحمید منیب جی	۵۰
	مکتوبات		
صدائے بازگشت	سید وجاہت رسول قادری تاباںؔ/ مولانا رضا حسین مصباحی/ مولانا محمد عرفان قادری		۵۱
	سرگرمیاں		
خیر و خبر	جامعہ حضرت نظام الدین اولیا میں سالانہ جشن داعیانہ اسلام کا انعقاد/ جامعہ عبد اللہ بن مسعود کولکاتا میں امام اعظم ابوحنیفہ سیمینار و انوارِ رضا کانفرنس/ رام پور میں جلسۂ دستارِ فضیلت		۵۴

اشرفیہ کلینڈر 2015ء حاصل کریں (منیجر ماہ نامہ اشرفیہ)

اداریہ

موبائل ایک ذہنی اور نفسیاتی بیماری

از: محمد طفیل احمد مصباحی

انسان کا جسم بیمار ہوجائے تو یہ امر اتنا باعث تشویش نہیں، لیکن انسان کی روح، نفس اور ذہن و دماغ بیماری میں مبتلا ہوجائیں تو یہ امر حد درجہ افسوس ناک اور خوف ناک ہے۔ موبائل نے انسان کے جسم کے ساتھ اس کی روح اور ذہن و دماغ کو بھی مرض میں مبتلا کردیا ہے۔ روح کی بیماری انسان کو ناشائستگی اور اخلاق باختگی کی طرف لے جاتی ہے اور ذہن و دماغ کا مرض انسان کو ایک عجیب کشمکش اور ہیجانی کیفیت میں مبتلا کردیتا ہے اور انسان کے روشن مستقبل پر ایک سیاہ دھبہ لگا دیتا ہے۔ انسان اپنے روشن مستقبل کے لیے سرتوڑ کوشش کرتا ہے اور اپنے رہوارِ فکر و عمل کو آگے بڑھاتا ہے مگر اس کا ذہنی و دماغی مرض اس کے حق میں پا بجولاں ثابت ہوتا ہے۔

جدید طبی تحقیق کے مطابق موبائل کی وجہ سے ذہنی و نفسیاتی مریضوں کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ موبائل کی وجہ سے بلڈ پریشر، دل کا دورہ اور چڑچڑاپن جیسی بیماریاں پہلے کے مقابلہ میں بڑھتی جا رہی ہیں اور یہ چڑچڑاپن گھریلو تناؤ کا سبب بن رہا ہے۔

میاں بیوی میں جھگڑے ہو رہے ہیں اور خاندانی نظام کا شیرازہ بکھرتا جا رہا ہے۔ موبائل کی بدولت پیدا ہونے والا یہ غصہ اور چڑچڑاپن، گالی گلوج، مار پیٹ اور دھکا مکّی پر ختم ہو رہا ہے۔ غرض کہ موبائل کے نتیجے میں برپا ہونے والا یہ ڈرامہ ایک سے ایک منظر پیش کر رہا ہے اور نت نئے سین دکھا رہا ہے۔

ع آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا

موبائل فون ذہنی تناؤ، گھبراہٹ اور خاندانی کشیدگی کا باعث کس طرح بن رہا ہے؟

اس تعلق سے روزنامہ اخبار "انقلاب" کا یہ بصیرت افروز اور چشم کشا اقتباس ملاحظہ کریں:

"حالیہ تحقیق کے مطابق موبائل فون استعمال کرنے والے افراد اسٹریس یعنی دباؤ کی بلند ترین شرح سے دوچار رہتے ہیں۔ یہ شرح ان لوگوں کے مقابلے میں بہت زیادہ ہوتی ہے جو موبائل کا استعمال بہت کم یا بالکل نہیں کرتے۔ فون کرنے کے عادی افراد دفتروں کی پریشانیاں بھی فون کے ساتھ ہی گھر لے آتے ہیں، جس سے گھروں میں خواتین بہت چڑھتی ہیں۔ شوہر جب اپنے کام کے تعلق سے گھر میں موبائل پر بات کرتے ہیں اور ہر وقت ان کا فون آتا رہتا ہے تو بیوی اور بچے دونوں کو شکایتیں رہتی ہیں۔ سوشیولوجسٹ ڈاکٹر نوئیل چیزی کے مطابق موبائل فون خواہ مرد حضرات استعمال کر رہے ہوں یا خواتین اس سے گھریلو زندگی پر برا اثر پڑنے کی بھی مثالیں موجود ہیں.....

ماہرین کے مطابق موبائل فون کا زیادہ استعمال خاندانی کشیدگی کا باعث بن رہا ہے۔ یہ مسلسل لوگوں کو ذہنی دباؤ کے ساتھ گھبراہٹ کا شکار بھی بنا رہا ہے۔ اس کا بڑھتا ہوا استعمال اس خطرے کی نشاندہی بھی کر رہا ہے کہ آنے والی نسلیں گھر اور باہری ذمہ داریوں کو الگ الگ کرکے دیکھنے میں بھی ناکام ہوجائیں گی اور عام زندگی بھی مصائب و آلام کا شکار ہوجائے گی۔" (روزنامہ انقلاب، ۲۶؍ ستمبر ۲۰۱۳ء جمعرات۔)

عورتیں گھر کی ملکہ اور امورِ خانہ کی نگہبان اور ذمہ دار ہوتی ہیں۔ اس لیے عورتوں کے حق میں موبائل کا زیادہ استعمال سمِّ قاتل اور حد درجہ خطرناک ہے۔ اگر عورتیں بیشتر اوقات موبائل میں مشغول رہیں گی تو پھر گھریلو ذمہ داریوں کو کون سنبھالے گا؟

عورتیں نیچے کا یہ اقتباس خاص طور سے پڑھیں اور اپنی خانگی ذمہ داریوں کے تئیں حساس اور بیدار رہیں اور زیادہ موبائل استعمال کرنے سے پرہیز کریں۔

"ایک خاتونِ خانہ بھی اگر موبائل کے ذریعے بہت سے رشتہ داروں اور سہیلیوں سے رابطہ بنالے تو سمجھو کہ اس نے بھی مفت کی مصیبت مول لی۔

نائب مدیر ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور
tufailmisbahi@gmail.com

کبھی کسی سہیلی کا فون تو کبھی کسی سہیلی کا میسیج، کبھی کوئی رشتہ دار دعوت دے گا تو کبھی کوئی شکایت کرے گا۔ غرض کہ ایک خاتون خانہ کو گھر کے کام کاج اور شیڈول پر نظر رکھنے کے علاوہ اپنے موبائل کے کال لاگ اور ان باکس پر بھی نظر رکھنی پڑتی ہے، جس سے ذہن پر غیر ضروری دباؤ پڑتا ہے۔'' (روز نامہ انقلاب، ۲۶/ستمبر ۲۰۱۳ء، جمعرات۔)

ایک دہائی قبل ہم ٹی وی اور پردۂ سیمیں کے مضر اثرات اور بھیانک نتائج سے پریشان تھے۔ برٹش سائیکلوجیکل سوسائٹی کے فیلو ڈاکٹر ایر کسمگین نے ''ٹیلی ویژن'' کو سب سے بڑا مضر صحت اسکینڈل (واقعہ) قرار دیا تھا۔ اور اب یہی مضر صحت اور مخرب اخلاق اسکینڈل موبائل بن چکا ہے۔ موبائل اور انٹرنیٹ نے انسانی بستیوں پر ہلّا بول دیا ہے۔ یا پھر یہ کہ لیجیے کہ موبائل نے انسان کے اخلاقی قدروں اور مذہبی روایتوں پر حملہ کر دیا ہے۔

موبائل اور انٹرنیٹ استعمال کرنے والوں کی تعداد- روزنامہ انقلاب (۱۸/اکتوبر ۲۰۱۳ء) کی تازہ ترین اطلاع کے مطابق انٹرنیٹ یوزرس (استعمال کرنے والے) کی تعداد کے اعتبار سے ہندوستان دنیا کا تیسرا بڑا ملک ہے۔

چین میں ۵۶/کروڑ ۸۱/لاکھ، امریکہ میں ۲۵/کروڑ ۴۲/لاکھ، اور ہندوستان میں ۱۵/کروڑ ۱۶/لاکھ انٹرنیٹ یوزرس ہیں۔ اور جہاں تک موبائل فون استعمال کرنے کی بات ہے تو ہندوستان اس معاملے میں دوسرے نمبر پر ہے، جہاں ۸۶/کروڑ ۸۷/لاکھ موبائل فون استعمال میں ہیں۔ یعنی کم و بیش ۸۰/کروڑ لوگ موبائل استعمال کر رہے ہیں۔ پختہ عمر کے ساتھ کچی عمر کے لڑکے اور لڑکیاں بھی بڑی تعداد میں موبائل کا غلط استعمال کر رہی ہیں۔ موبائل فون کی بدولت عشق و عاشقی، خلاو ملا اور معاشقہ و معانقہ کے معاملے کو بہت زیادہ فروغ ملا ہے۔ ٹی وی ایک کھلا ہوا راز تھا، لیکن موبائل ایک ''رازِ سربستہ'' ہے، جس میں نہ جانے کیسے کیسے سنگین حقائق پوشیدہ ہیں۔ ضروری ہے کہ والدین اپنے بچے اور بچیوں کے موبائل میں چھپے سنگین حقائق کی تہ تک پہنچیں اور سختی کے ساتھ ان کی نوٹس لیں۔ ورنہ یہی بچے آگے چل کر ''شہوانی غنڈے'' ثابت ہوں گے۔

موبائل کی ذہنی و نفسیاتی بیماری اور تباہی و بربادی سے متعلق ''ہفت روزہ نئی دنیا'' ۳/مارچ ۲۰۱۴ء کی یہ چشم کشا تحریر بھی خاص طور سے پڑھنے کے لائق ہے۔ تحریر کا عنوان ہے: ہوشیار! خبر دار! گھر گھر میں آگ لگا رہا ہے موبائل فون۔ جس تیزی کے ساتھ موبائل انسان کی زندگی کا حصہ بنا ہے اس تیزی کے ساتھ انسان کی زندگی میں کوئی بھی داخل نہیں ہو سکا۔ موبائل نے جہاں لوگوں کی زندگیوں میں آسانیاں فراہم کی ہیں، وہیں اسی موبائل سے جھوٹ کو بھی فروغ حاصل ہوا ہے۔ انڈیا گیٹ پر کھڑا آدمی اگر اپنے آپ کو ریلوے اسٹیشن پر موجود بتا رہا ہے، تو ضرور کہیں نہ کہیں اس نے بے ایمانی کی ہے۔ اسی طرح میاں بیوی کی تکرار اور ایک دوسرے پر شک کی تلوار کھینچنے کا ہتھیار بھی یہ موبائل بن چکا ہے۔ آج کئی ایسے معاملے سامنے آچکے ہیں، جب ای-میل اور موبائل کی وجہ سے ذاتی اور عوامی زندگی تباہ ہو چکی ہے۔ خودکشی اور قتل کا باعث بننے والے اس دور کی سوشل سائٹس اور موبائل نے مہذب دنیا کو پریشانیوں میں ڈال دیا ہے۔ پہلے تو اسے صحت کے لیے مضر قرار دیا گیا۔ عالمی ادارہ صحت کے سربراہ بھی ان بچوں کے والدین کو سخت انتباہ دے چکے ہیں، جن کے بچے موبائل فون پر اپنا زیادہ سے زیادہ وقت کھپاتے ہیں۔ کھیل کھیل میں گھنٹوں بات چیت کرنے والے بچے نہیں جانتے کہ موبائل فون سے ہونے والے خطرے ان کی صحت کے لیے کتنے خطرناک ہو سکتے ہیں۔ اس بارے میں کچھ ٹسٹ بھی کیے گئے اور پتہ چلا کہ جن مقامات پر موبائل کا مسلسل استعمال کیا جاتا ہے، وہاں برقی مقناطیسی لہریں بھی بہت زیادہ ہوتی ہیں۔

حال ہی میں فن لینڈ کے سائنس دانوں نے ایک تحقیق میں بتایا کہ موبائل فون سے ہونے والی تابکاری سے دماغ میں تبدیلی آجاتی ہے۔ ماہرین کی رائے ہے کہ اس سے بچنے کا ایک ہی طریقہ ہے، موبائل فون پر کم سے کم اور ٹو دی پوائنٹ گفتگو کی جائے۔

آج کے اس تکنیکی دور میں موبائل فون ہماری زندگی کا لازمی حصہ بن چکا ہے۔ آج زیادہ تر لوگ موبائل کے بغیر خود کو بے بس اور تنہا محسوس کرتے ہیں اور اس کے لیے ہم اس کے منفی اثرات کو بھی نظر انداز کر جاتے ہیں۔ ہم ہر نئے دن اخبار میں موبائل فون سے متعلق سیکڑوں بیماریوں سے آگاہ ہوتے ہیں، اس لیے اگر کہا جائے کہ موبائل بہت سے مسائل کی جڑ ہے، تو غلط نہ ہوگا۔ فون برین کینسر جیسی سنگین بیماری کی وجہ ہے۔ سیل فون دل کے پاس یعنی شرٹ کی جیب میں نہیں رکھنا چاہیے، اس سے دل پر منفی اثر پڑتا ہے۔ ضرورت سے زیادہ دیر تک بات کرنے سے تو کان پر اس کا برا اثر پڑتا ہی ہے، ساتھ ہی دماغ بھی اس کے اثر سے بچ نہیں پاتا۔ خاص طور سے بچوں کی نشو و نما کے لیے یا دماغ کے لیے فون کا اضافی استعمال نقصان دہ ہوتا ہے۔

سوال اگر صرف بیماری کا ہی ہوتا تو بھی لوگ اس کے استعمال میں احتیاط برت لیتے۔ موبائل در اصل انسان کو نفسیاتی بیماری میں مبتلا کرتا جا رہا ہے۔ اس لت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ۲۰ر فیصد نوجوان جوڑے سیکس کے دوران بھی فون کا استعمال بند نہیں کرتے، جب کہ ۳۰ر فیصد لوگوں کا ماننا ہے کہ موبائل استعمال کرنے والوں کی کس طرح ٹیکنالوجی سے ازدواجی زندگی میں کشیدگی پیدا ہو رہی ہے۔ سروے میں شامل ۱۲ر فیصد لوگوں نے اعتراف کیا کہ ان کی لولائف میں بار بار فون چیک کرنا ایک مسئلہ بن گیا تھا۔ ۲۹ر فیصد نے کہا کہ انھوں نے اپنے دوست یا پارٹنر کا فون چیک کر کے اس کا اعتماد توڑ دیا۔ ۱۵ر فیصد لوگ ایسے ہیں، جو ہر جگہ موبائل فون اپنے ساتھ لے کر جاتے ہیں۔ چاہے وہ باتھ روم ہو، ڈنر ٹیبل ہو یا بیڈ روم۔ کئی لوگ تو ایسے ہیں جو سنیما گھروں میں بھی مووی دیکھتے ہوئے موبائل فون کا استعمال کرتے ہیں۔ اس لت کے لگ جانے کے بعد کئی لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ کسی دوسرے شخص کو موبائل بجنے پر بھی چوکنا ہو جاتے ہیں اور ان کا ہاتھ اپنے موبائل کی طرف بڑھ جاتا ہے۔ بہت سے لوگ ایسے بھی پائے گئے جو اپنے اور اپنے موبائل کا فاصلہ محض ۵ر فٹ رکھتے ہیں۔ ایک سروے کے مطابق ۱۵ر فیصد لوگ نہاتے وقت بھی کسی طرح اپنے فون کا استعمال کرتے ہیں۔

موبائل فون روڈ ایکسیڈنٹ کی وجہ بھی بنتا جا رہا ہے۔ سخت قانون کے باوجود ۵۵ر فیصد لوگ گاڑی چلاتے وقت ہینڈ سیٹ کے ساتھ لگے رہتے ہیں۔ ایسے بھی واقعات سامنے آئے ہیں کہ پیچھے سے آنے والی گاڑیوں کا ہارن نہ سننے کی وجہ سے خطرناک حادثات ہو چکے ہیں۔ موبائل ایک طرح سے آپ کے لیے رحمت ہے تو زحمت بھی ہے، اس لیے اس کا استعمال کریں، لیکن احتیاط سے۔

موبائل کا ایک خطرناک پہلو یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعہ حاملہ عورت اور اس کے پیٹ میں پرورش پانے والے بچے کی صحت واخلاق پر بہت بُرا اثر پڑ رہا ہے۔ موبائل بجلی سے چلتا ہے۔ موبائل کو پہلے بجلی سے چارج کیا جاتا ہے، موبائل کے اندر کرنٹ اور بجلی کی شعاعیں بھری رہتی ہیں اور بجلی کی یہ شعاعیں عام آدمی کے لیے بھی نقصان دہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر موبائل کو سینے کے پاس جیب میں رکھنے سے منع کرتے ہیں، کیوں کہ اس سے ہارٹ کا مرض پیدا ہونے کا اندیشہ رہتا ہے۔ آج موبائل سے نکلنے والی شعاعیں حاملہ عورت اور اس کے جنین (پیٹ میں پرورش پانے والا بچہ) کی صحت کو مفلوج اور ناکارہ بنا رہی ہیں۔

لہٰذا حاملہ عورت دوران حمل موبائل کا زیادہ استعمال نہ کریں اور موبائل استعمال بھی کریں تو اسے اپنے سے دور رکھیں۔ سرہانے یا تکیہ کے نیچے موبائل ہرگز نہ رکھیں۔ جدید میڈیکل سائنس کی تحقیق کے مطابق آخری تین چار ہفتوں میں جنین (ماں کے پیٹ میں پرورش پانے والا بچہ) کے کانوں میں اس کی ماں اور ارد گرد کی آوازیں پہنچنے لگتی ہیں۔ آج کی مائیں جب حاملہ ہوتی ہیں تو ان ایام میں درد زہ اور تکلیف کا عذر پیش کر کے فرائض وواجبات، نماز، روزہ اور دیگر اوراد ووظائف چھوڑ دیتی ہیں اور فضول باتوں اور بے کار کاموں میں مشغول رہتی ہیں۔ فلمیں دیکھتی ہیں، گانے سنتی ہیں اور موبائل کے پیچھے پڑی رہتی ہیں۔ ان ماؤں اور حاملہ عورتوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ ان کی فلم بینی، فحش گوئی اور گانے سننے کا برا اثر کے ان کے پیٹ میں پلنے والے معصوم بچے پر پڑ رہا ہے۔ یہ محض دعویٰ نہیں بلکہ حقیقت ہے۔ اس کی ایک مثال ملاحظہ کریں۔

حضور سرکار غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب ماں کے پیٹ میں تھے تو آپ کی والدہ تلاوت کیا کرتی تھیں، تقریباً ۱۷ر پارہ تک پہنچی تھیں کہ سرکار غوثِ پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت ہو گئی۔ غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں مشہور ہے کہ آپ ۱۷ر پارہ کے پیدائشی حافظ تھے۔ ماں کی حرکت وعمل کا پیٹ میں پرورش پانے والے بچوں پر یہ اثر نہیں تو اور کیا ہے؟ یہ کوئی ضروری نہیں کہ ماں دوران حمل قرآن کی تلاوت کرے گی تو بچہ حافظ قرآن بن کر ہی پیدا ہوگا۔ مگر اتنا ضرور ہے کہ تلاوت قرآن کریم اور ماں کے اچھے کاموں کا اثر بچوں پر ضرور پڑے گا۔ حاملہ عورتوں کو اس سلسلے میں خاص توجہ دینے اور حتی الامکان موبائل سے بچنے کی ضرورت ہے۔

فارسی کی مشہور کہاوت ہے: "ہر شے کہ بسیار شود خوار شود"۔ کچھ یہی حال موبائل کا بھی ہے۔ موبائل کی کثرت اور اس کے بے جا استعمال نے ذلت وخواری اور تباہی وبربادی کے بہت سارے دروازے کھول دیے ہیں۔ انٹرنیٹ کا ۸۰ر فیصد استعمال موبائل پر ہوتا ہے اور انٹرنیٹ کے مضر اثرات جس طرح اس کے افادی پہلوؤں پر غالب ہیں اور اس کی بدولت معاشرے میں فواحش ومنکرات کا جو سیلاب آیا ہے، اس سے اہلِ علم طبقہ اچھی طرح واقف ہے۔ جی ہاں! آج اسی موبائل اور انٹرنیٹ نے بچوں کو وقت سے پہلے جوان اور جوان کو وقت سے پہلے بوڑھا بنا دیا ہے۔ موبائل اس وقت اور زیادہ مہلک اور خطرناک ثابت ہوتا ہے، جب یہ عیاش اور بدقمار افراد کے ہاتھوں میں کھلونا بن جاتا ہے۔ اس لیے حکومت کی جانب سے بھی موبائل کی حد سے زیادہ آزادی پر روک لگانے کی سخت ضرورت ہے۔ ☆☆☆☆

قسط:۳

فقہی تحقیق

تقدیرِ اوقات

شمس الہدیٰ مصباحی

ازالہ شبہات

ا۔ ہمارے فقہائے حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی اقرب الایام المعتدلة سے تقدیر فرمائی ہے۔ دیکھو فتاوی یورپ طبع ہند صفحہ ۱۸۱۔۱۸۲

جواب: ا۔ یہ طرق تقدیر وہاں کے لیے ہیں جہاں ٦ ماہ رات اور ٦ ماہ دن ہوتے ہیں یعنی نورتھ پول، سائوتھ پول، نہ کہ ہر جگہ کیلیے

۲۔ یو۔کے، ہولینڈ، وغیرہ بلاد کے لیے اسی فتاوی یورپ کے صفحہ ۲۹۹۔۳۰۰ پر جواب موجود ہے کہ جن راتوں میں سورج اٹھارہ ڈگری نیچے نہیں جاتا کہ مائل بطلوع ہوجاتا ہے۔ تو جس وقت سورج دونوں ۱۸ ڈگریوں کے درمیان آجائے تو اس وقت مائل بطلوع (نصف لیل) ہونے سے پہلے سحری سے فارغ ہوجانا چاہیے۔

۳۔ اور احتیاط اس میں ہے کے اگر ان ایام میں سحری نہ کریں تو زیادہ بہتر ہے۔ (ایضا)

۴۔ جو کچھ کھانا پینا ہے سورج کے بارہ ڈگری پر جانے سے پہلے (شفق احمر ختم ہونے سے قبل) کھا، پی لیں اور بس (ایضا صفحہ ۳۰۰)

۵۔ نیز صاحب فتاوی یورپ صاحب مد ظلہ العالی نے فتوی تنصیف لیل کی تصدیق و تصویب بھی فرمائی ہے۔

٦۔ پھر ان کا (حضرت مفتی عبد الواجد صاحب قبلہ کا) خود عمل بھی ان دنوں میں ختم سحری آدھی رات سے قبل کا ہے۔

(نوری مسجد آمسٹرڈم، ہولینڈ)

۷۔ ان کے استاذ حضرت بحر العلوم مفتی سید افضل حسین صاحب فیصل آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی نصف لیل کی ہی تصریح فرمائی ہے۔ دیکھو توضیح الافلاک صفحہ ٦۲۔ مزید ہولینڈ وانگلینڈ کا ٹائم ٹیبل بھی نصف الیل کے تحت تقریبا ۳۷ سال قبل مرتب بھی فرمادیا ہے۔

۲۔ حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے 'وقواعد المذهب لا تأباه' صفحہ ۱۷۹ اس سے معلوم ہوا کہ حنفیہ کے یہاں بھی تقدیر کا اعتبار ہے۔

جواب: خود امام طحطاوی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حاشیہ الدر میں بڑی شرح و بسط سے کلام فرمایا ہے۔ اس میں فرماتے ہیں کہ لم ار التقدير لائمتنا صفحہ ۱۷۵/۱ یعنی میں نے تقدیر کے بارے میں ائمہ احناف کا کوئی قول نہیں دیکھا۔ نیز اس کا تعلق ایام دجال سے ہے۔ جو ابھی تک آیا نہیں ہے اور اس پر قرینہ 'كل فصل من الفصول الاربعة' کی عبارت ہے۔

۳۔ مفتی قازان شیخ ہارون حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ م۱۳۰٦ھ رقمطراز ہیں:

' اصل التقدير متفق عليه بيننا وبين الشافعية ' .

(ناظورة الحق فی فرضية العشاء وان لم يغب الشفق صفحه ۱۸۹ قلمی نسخه)

اس سے ظاہر ہے کہ احناف کے نزدیک یہی تقدیر کا قول مسلم ہے نیز اسی کتاب میں اقرب الایام سے تقدیر کی بھی صراحت ہے لھذا یو۔کے میں اس کے مطابق تقدیر کیا جائے گا۔

جواب۔ بلاشبہ احناف کے یہاں تقدیر کا قول ہے لیکن ان کے یہاں تقدیر بمعنی سبب وجوب کی خاطر وقت مان لیا گیا ہے درحقیقت وقت موجود نہیں ہے جیساکہ ردالمحتار وغیرہ کے حوالہ سے گذرا لھذا اتفاق صرف نفس تقدیر میں ہوا اگرچہ دونوں کے یہاں تقدیر کا مفہوم واطلاق الگ الگ ہے تبھی تو فرمایا۔ 'اصل التقدیر' نیز اس عبارت سے متّصلاً مفتی قازان نے حنفی تقدیر اور شافعی تقدیر کے فرق کو واضح فرمایا ارشاد فرماتے ہیں۔

وهم يقدرون با قرب البلاد اليهم أو بأقرب ليال اليهم لان القريب لشئی فی حكم هذا الشئی ونحن نقدر باعتبار الاكثر الغالب.' شرح تنویر الابصار'

(ایضا صفحه ۱۸۹)

یعنی شافعیہ اقرب بلاد یا اقرب لیالی سے تقدیر کرتے ہیں کیوں کہ

استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور
shmisbahi_786@yahoo.com

کسی چیز سے جو قریب ہو وہ اسی چیز کے حکم میں ہوتی ہیں اور ہم احناف کے یہاں معنی تقدیر یہ ہے کہ جب وقت نہیں ملا تو نماز کے حق میں وہاں وقت مان لیا گیا ہے تاکہ سبب وجوب متحقق ہو جائے ایسا ہی عدم وجود وقت کی صورت میں اکثر مان لیا جاتا ہے یا اکثر ایام جس میں وقت ہوتا ہے اسی پر ان دنوں کا اندازہ کر لیتے ہیں جس میں وقت عشا نہیں ہوتا (یہ معنی تقدیر مفتی قازان کے نزدیک ہے) نیز جو حضرات اقرب الایام سے تقدیر کی بنا پر پورے یو۔کے میں ۲ بجے کا وقت متعیّن کر دیتے ہیں۔ ان سے گذارش ہے کہ جب بعض علاقوں میں ۱ بج کر ۲۰ -۲۵ منٹ پر اقرب الایام والا وقت ہوتا ہے تو پھر دو۔۲ بجے تک سحری کا جواز کس طور پر ہو سکتا ہے کیونکہ ان کے بقول ۳۵۔۴۰ منٹ قبل ہی فجر طلوع ہو چکی ہے اور پھر پورے یو۔کے کے لیے دو۔۲ بجے کا وقت کیسے ہو پائے گا۔ نیز جہاں وقت آنا شروع ہوتا ہے تو اس کی تاریخیں مختلف ہیں۔ ۱۳ جولائی سے لے کر ۲۱۔ اگست تک بحسب اختلاف عرض البلد۔ پس ۳۔۴ اگست تک ہی تمام علاقہ جات کے لیے دو۔۲ بجے تک ہی ختم وقت سحری رکھنے کا جواز کیوں کر ہوگا جب کہ تنصیف لیل کا فارمولہ ان تمام مفاسد سے مکمل مبرّا و منزہ ہے۔

۴۔ امام ملّا قاری حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ **نے تقدیر کی صراحت فرمائی ہے:**

"فامرهم ان يجتهدوا عند مصادمة تلك الاحوال و يقدروا لكل صلاة قدرها"

(مرقاة جلد ۱۰ باب ذكر الدجال)

جواب: اس عبارت سے پہلے کی عبارت میں تو حضرت ملّا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے "فنقول" کہہ کر واضح فرمایا ہے کہ دجال کی فریب کاری اور سحر کے سبب اختلاف لیل و نہار کی نشانیاں چھپ جائیں گی۔ مگر وقت موجود رہیگا اور وہ بات تو یہاں ان ممالک میں نہیں ہے بلکہ ان بلاد میں چند ایام میں سرے سے وقت عشا حنفی ہوتا ہی نہیں۔ پھر قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول بھی نقل فرمایا کہ یہ حدیث، روز قیامت کے ساتھ مختص ہے پس مرقاۃ المفاتیح کی عبارات تو قیاس کی نفی کا اعلان کر رہی ہے۔

۵۔ قال في امداد الفتاح قلت: وكذلك يقدر لجميع الآجال كالصوم و الزكوة و الحج والعدة وآجال البيع والسلم والاجارة و ينظر ابتداء اليوم فيقدّر كل فصل من الفصول الاربعة بحسب مايكون كل يوم من الزيارة والنقص كذا في كتب الائمة الشافعية ونحن نقول بمثله إذ أصل التقدير مقول به اجماعا في الصلوات . حلبي شارح المنية (حاشيه الطحطاوى على الدر ۱۷۷.۱ ، رد المحتار ج۱ ص ۲۶۸)

وقال: دلیل التقدیر مشرق (ایضا)

جواب: حنفیہ نفس تقدیر کے تو قائل ضرور ہیں۔ جیسا کہ گذرا لیکن ہمارے بعض احباب تقدیر کا جو مفہوم یہاں یو۔کے میں مراد لیتے ہیں وہ قطعی مناسب نہیں کیوں کہ اس عبارت میں لفظ الحج، الزکوۃ، البیع تو واضح قرینہ ہے کہ اس کا تعلق صرف ایام دجال سے ہے۔ مثلاً حج، عرفات، سعودیہ میں ادا ہوتا ہے اور وہاں وقت باضابطہ میسر ہے۔ پھر وہاں تقدیر کا کیا معنی ہے؟ اس سے معلوم ہوا کہ حج میں تقدیر اس دن ہوگی جب وہ دن سال بھر کا ہوگا۔

۶۔ امام مراکشی فرماتے ہیں:

'انه يعتبر التقدير بالنسبة للصوم والصلوة'

اس سے ظاہر کہ تقدیر کا قول روزہ میں بھی ہے۔

جواب: امام موصوف نے کیا فرمایا اور نتیجہ کیا نکالا گیا۔ وہ مکمل غیر مناسب ہے اور یو۔کے کے لیے قطعی کارآمد نہیں۔ چنانچہ پوری عبارت پڑھ لی جائے۔ رقمطراز ہیں:

'ان وقت الامساك و العشاء و الفجر في البلاد التي لا يغيب فيها الشفق هو نصف الليل وانه يعتبر التقدير بالنسبة للصوم و الصلاة في البلاد التي لا تغيب فيها الشمس مدة من ايام او اشهر'

یعنی وہاں ختم سحری و عشا و فجر کا وقت آدھی رات ہے۔ جہاں شفق غائب نہیں ہوتی اور روزہ، نماز میں تقدیر کا اعتبار ان ملکوں میں جہاں کئی کئی دن یا مہینے سورج ڈوبتا ہی نہیں۔ اب ہمارے قارئین خود فیصلہ کریں۔ کہ یو۔کے کے لیے امام مراکشی نے کیا حکم فرمایا ہے۔ جب کہ یہاں تو ہر دن سورج غروب ہوتا ہے اور رات آتی ہے۔

۷۔ چند کتب ہیئت میں صبح کاذب کے لیے ۱۸ درجہ اور صبح صادق کے لیے ۱۵ درجہ کی صراحت ہے۔ پھر ہم اس پر عمل کیوں نہیں کرتے ہیں۔ دیکھیے: حاشيه شرح چغميني للشيخ عبدالحليم لكهنوى صفحه ۱۲۲ حاشيه مالا بد منه صفحه ۲۹، تصریح وغیرہ

جواب:

ا۔ جن کتب میں ایسا ہے وہ مجہول صیغوں سے اور الفاظ تمریض

سے بیان ہے۔ قطعی مشاہدہ کا حکم نہیں ہے۔ جب کہ اس کا مدار رویت ومشاہدہ ہی پر ہے۔ اور دوسری طرف صدہا سال کے تجربات ومشاہدات نیز دور حاضر کے سائنسی آلات جدیدہ بھی شاہد ہیں جیسا کہ انسائیکلوپیڈیا آف بریٹانیکا میں ہے۔ لہٰذا علم بالتجربۃ، عرف بالتجربۃ، علم بالرصد، قیل وغیرہ صیغ مجہول، ضعف پر دلالت کرتے ہیں۔ تو لا پتہ مشاہدہ کرنے والوں، نامعلوم قائلین سے نماز، روزہ، جیسی عبادات میں استدلال کس طور پر کیا جاسکتا ہے۔ پس یہ ساقط الاعتبار ہے۔ اور لفظ 'قیل' کے متعلق امام محقق احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں 'یہ لفظ اس قول کے ضعف پر دلیل ہوتا ہے اور یہ بتاتا ہے کہ اس کی طرف بعض گئے ہیں' اکثر علمائے کرام خلاف پر ہیں (فتاوی رضویہ جدید ۳۱۳۔۲۰) بلکہ خاص لفظ 'قد قیل' کے بارے میں محقق بریلوی نے واشگاف فرمایا، ایسے الفاظ سے جو غالباً مشعر الضعف یا اختلاف۔ (فتاوی رضویہ ج ۲۷ ص ۱۶۱)

بڑی عجب بات ہے یہ کہنا کہ،، لفظ قد قیل، قد علم،، سے تعبیر ہے اور ماضی پر حرف 'قد' تحقیق اور بے شک، کے معنی میں مستعمل ہے۔ یعنی اس تجربہ اور قول میں شک کی گنجائش نہیں پھر اس پر قرآنی استدلال،، قد افلح،، قد خاب، جیسے معروف صیغوں کو پیش کرنا۔ (کما فی احسن التقو یم صفحہ ٣٧٥) دریں چہ شک،، والی مثل سے کم نہیں۔ میرے محترم بلا شبہ،، قد،، ماضی کی تحقیق وتقریب کے لیے آتا ہے مگر یہاں تو مجہول ہی کی تحقیق ثابت ہو رہی ہے نہ کہ اور کچھ فتدبر۔ اور طوسی پر زیادہ نہ بھولیے کہ مجدد اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں 'اس پر تجربہ ہوا ہے کہ اعمال میں کچا ہے۔' (فتاوی رضویہ ۱۰/۶۲۳)

یوں ہی احسن التقویم صفحہ ۳۲۳ سے ۳۴۷ تک ماہرین فلکیات کی ایک لمبی لسٹ دے ڈالی ہے کہ انہوں نے مشاہدہ کیا ہے جب کہ سب مجہول صیغوں سے تعبیر ہے اور مجہول کا فاعل معلوم نہیں ہوتا ہے۔ پھر یہ تحریف کس لیے کی گئی کہ علم' عرف' 'قیل' کو معروف قوی صیغہ متکلّم 'علمت' 'عرفت' 'قلت' بنا دیا گیا۔ اور ان عبارتوں میں صبح صادق کا پہلو بھی موجود پھر اس سے صرفِ نظر کیوں فرمایا گیا؟ اور صفحہ ٣٨٦ پر آلات رصدیہ پر بڑا غرّہ کیا گیا ہے۔ عالی جناب! العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ ج ۳۰ ص ۱۲۰ کے مطالعہ فرمالینے کا مخلص مشورہ ہے۔ پھر دیکھیے آپ کے آلات کے تار و پود بکھرتے نظر آتے ہیں یا نہیں؟ لیجیے چند جملے ابھی گوش گزار کر دیتے ہیں۔ 'بعض آلات خود ناقص ہوتے ہیں۔ بعض کو بنانے والا غلط بناتا ہے' بعض وقت صحیح آلہ غلط لگایا جاتا ہے' بعض وقت، مدلول آلہ کو لگانے والا غلط ادراک کرتا ہے' آلہ اپنے منتہائے کار کے بعد بھی حساب کا محتاج ہے۔ اور حساب اکثر محتاج آلہ نہیں ' آلہ کیسا ہی دقیق ہو دقیق حساب تک نہیں پہنچ سکتا الخ۔ (فتاوی رضویہ ج ۳۰ ص ۱۲۰)

۲۔ علم ہیئت کے بہت سے متون وشروح میں لفظ،، فجر، اور شفق،، کا ذکر ہے جس سے امام احمد رضا قدس سرہ، ملک العلما بہاری، علامہ علاء الدین قوشجی، علامہ آلوسی بغدادی، شیخ ابوالحسن انصاری، دکتور حسین وغیرھم ماہرین فلکیات نے فجر صادق اور شفق ابیض ہی سمجھا اور اسی پر چند قرائن وشواہد دال ہیں۔ جیسا کہ عن قریب اسکا ذکر آرہا ہے۔ لہذا یہ کہنا کہ بعض لوگ جان بوجھ کر لفظ فجر کے ساتھ اپنی طرف سے صادق کا اضافہ کر دیتے ہیں۔ 'کما فی احسن التقو یم صفحہ ٣٢٠' صحیح ہے لیکن یہ کہنا کہ یہ اضافہ کر کے لوگوں میں غلط فہمی پیدا کر رہے ہیں، درست نہیں بلکہ یہ راست فہمی لوگوں کو دی جا رہی ہے۔ البتہ جو فجر کے ساتھ اپنی طرف سے کاذب کا اضافہ کیا گیا ہے۔ ہمارا ظن ہے کہ یہ جان بوجھ کر نہیں بلکہ نادانی، خوش فہمی میں ایسا کیا گیا۔ جس سے جذبہ اطاعت اکابر مجروح ہو رہا ہے اور خلاف اجماع ایک غلط مفہوم پر عمل کروایا جا رہا ہے۔

۳۔ فجر سے فجر صادق مراد لینے پر واضح قرینہ یہ ہے کہ فجر کاذب وصبح کاذب سے احکام شریعت بلکہ امور دنیا کا بھی کوئی خاص تعلق نہیں ہے۔ لھذا صبح صادق کے بجائے کاذب کا ذکر بے سود ہے۔ امام ابوریحان بیرونی م ۴۴۰ھ فرماتے ہیں،،

ولا یتعلق با لصبح الکاذب شئی من الاحکام الشرعیة ولا من العادات الرسمیة. (القانون المسعودی ٢.٩٤٨)

امام محقق احمد رضا قدس سرہ ارشاد فرماتے ہیں،، اور صبح کاذب کے لیے جس سے کوئی حکم شرعی متعلق نہ تھا۔ اب تک اہتمام کا موقع نہ ملا۔ ہاں اتنا اپنے مشاہدہ سے یقینا معلوم ہوا کہ اس میں اور صبح صادق میں ۱۵ درجہ سے بھی زائد فاصلہ ہے نہ کہ ۳ درجہ۔ (فتاوی رضویہ ۱۰/۶۲۱)

۴، ہوا یہ کہ کہیں کسی ایک سے چوک ہوئی یا خط ناسخ میں سہو واقع ہوا۔ پھر نقل در نقل چند کتب میں چلا آیا۔ جیسا کہ کتب فقہ بحر، نہر، منح، فتح، وغیرہا میں عام طور پر صراحت ہے کہ،، قرآن پاک میں نماز اور زکوۃ کا

ساتھ ساتھ ذکر بیاسی، ۸۲ جگہوں پر ہے مگر علامہ شامی، حلبی، طحطاوی رحمہم اللہ تعالی نے شمار کر کے فیصلہ فرمایا کہ وہ صرف ۳۲ جگہوں پر ہے۔

(فتاوی رضویہ ۴۳/۱۰)

بحر العلوم مفتی افضل حسین رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں،،اور یہ کوئی نادر بات نہیں ہے بلکہ ایسی نظیریں بہت ملتی ہیں کہ ایک نے غلطی کی اور بے توجہی میں دوسروں نے اس کی تقلید کر لی چنانچہ ردالمحتار میں ہے:

وقد یقع کثیرا ان مولفاً یذکر شیئًا خطئاً فینقلونہ بلا تنبیہ فیکثر الناقلون واصلہ لواحد مخطئی

(صبح و شفق صفحہ ۱۱)

امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں:

مجرد الشھرۃ لا تستلزم کثرۃ القائل لجواز ان یشتھر عن واحد مع مخالفۃ غیرہ لہ او سکوتہ عنہ (شرح الزرقانی علی المواھب طبع بیروت ج ۱ ص ۲۴۵)

۵۔ یوں ہی شرح چغمینی اور تصریح شرح تشریح الافلاک وغیرہ کتب میں یہ تحریر کہ:

"ففی عرض مح ل ای ثمانیۃ وار بعون درجۃ وثلثون دقیقۃ یتصل الشفق بالصبح الکاذب اذاکانت الشمس فی المنقلب الصیفی"

یعنی جن بلاد کا عرض ۳۰-۴۸ درجے ہو گرمیوں میں وہاں شفق کا صبح کاذب سے اتصال ہو جائیگا۔۔ صریح خطا اور فاحش غلطی ہے بلکہ بناء الفاسد علی الفاسد کے قبیل سے ہے۔ اولا کیوں کہ فقہائے کرام نے تصریح فرمائی ۳۰-۴۸ درجہ یا اس سے زائد عرض بلاد میں موسم گرما کے چند ایام میں عشا کا وقت داخل نہیں ہوتا اور صبح کاذب کے وقت تو بالاتفاق وقت عشا رہتا ہے۔ پھر فقہائے عظام کی بات کیوں کر درست ہوگی کہ وہاں وقت عشا کا نہ ہونا متفق علیہ ہے۔

ثانیا :جب شفق سے مراد شفق مستطیل لیں گے تو اس وقت بھی بالاجماع وقت عشا موجود پھر مفقود کب ہوگا۔ کیوں کہ سب کے یہاں شفق مستطیل کے وقت مغرب کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔ بدائع الصنائع للکاسانی وغیرہ عامہ کتب فقہ میں واضح طور پر ہے۔" اما اول وقت العشاء فحین یغیب الشفق بلاخلاف" اور شفق ائمہ دین کے نزدیک صرف دو ہی معنی میں ہے۔ ۱. احمر عند المالکیہ و الشافعیہ و الحنابلۃ و الصاحبین. ۲ ابیض مستطیر فی الافق جنوبا و شمالا عند الاحناف وعند الحنابلہ فی الحضر کما فی المغنی اور بیاض مستطیل مستدق فی السماء شرقاغربا۔ مثل فجر کاذب کے ہے جو کسی کے یہاں شفق نہیں۔ لہذا جب شفق ابیض اور صبح صادق میں اتصال تسلیم کریں گے تب ضرور وقت عشائے حنفی مفقود ہوگا اور بیاض طویل غربی اور صبح کاذب دونوں جب وقت عشا ہے تو اس کے اتصال یا عدم اتصال سے کوئی اثر تو ہوا نہیں۔ نیز ارباب فن نے اس کے تجربہ کا اہتمام بھی نہ کیا کیوں کہ وہ وقت نوم واستراحت کا ہے۔

ثالثا۔ اسی لیے تو محشی تشریح الافلاک نے اس خطا پر تنبیہ کے لیے کہا،، الظاھر ان یقول اول الصبح بدون الکاذب کما فی عبارۃ القوم" اس سے بھی روز روشن کے مثل آشکارا ہو گیا کہ قوم کی مراد صبح سے صادق ہے کاذب نہیں ہے۔

رابعا نماز عشا کے وقت کا ذکر حدیث شریف میں یوں ہے:

'حین یسودّ الافق' رواہ ابو داؤد عن ابی مسعود رضی اللہ تعالی عنہ .'حین یغیب الافق' راوہ مسلم وابو داؤد والترمذی والنسائی واحمد فی المسند عن ابی ھر یرۃ رضی اللہ تعالی عنہ وایضاروی ؟ انہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم قال: لا یغرّ نکم الفجر المستطیل انما الفجر المستطیر فی الافق. عن قیس بن طلق عن ابیہ 'لیس الفجر المستطیل فی الافق' وقال :الفجر فجران فجر مستطیل فی السماء وفجر مستطیر فی الافق ھوالذی یحرم الطعام علی الصائم ویحل الصلاۃ' کذا فی تفسیر الماتر یدی

ان روایات سے بالکل عیاں ہے کہ جب افق روشن ہو تبھی وقت عشا مفقود ہوگا۔ لہذا فجر کاذب اور بیاض مستطیل کے اتصال سے وقت عشا نہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس لیے کہ فجر کاذب اور بیاض مستطیل دونوں آسمان میں شرقاً غرباً ممتد ہوتے ہیں اور افق تاریک رہتا ہے۔ الفجر الکاذب ھوالبیاض الذی یبدوفی السماء طولًا والفجر الصادق ھوالبیاض المنتشر فی الأفق'

مبسوط سرخسی ۱۴۱/۱.

نیز صاحب احسن التقویم کے مطابق، حاشیہ الدسوقی علی الشرح الکبیر میں ہے:

'الفجر الکاذب یطلب وسط السماء دقیق یشبه ذنب السرحان ولا یکون فی جمیع الازمان بل فی الشتاء'

(احسن التقویم ص ۲۲۵)

لہٰذا جب ان بلاد میں گرمیوں میں صبح کاذب پائی ہی نہیں جاتی تو اس کا شفق سے اتصال چہ معنی دارد؟

خامسًا۔ پھر توضیح الادراک شرح تشریح الافلاک ص۳۶ میں ہے کہ صبح کاذب کی طرح جو بیاض مستطیل ہے وہ سورج کے افق غربی سے ۱۸ درجہ نیچے جانے کے بعد آسمان میں لمبی روشنی دکھائی دیتی ہے اور اس ضوء اور افق کے مابین ظلمت رہتی ہے اسی لیے وہ شفق کاذب سے موسوم ہے؟ ہے اور ۱۸ درجہ تک جو سپیدی ہے وہ چوڑائی میں پھیلی رہتی ہے اور یہ مثل صبح صادق کے ہے۔ 'یری الشفق معترضاً مبیضاً کا لصبح الصادق ثم أی بعدانحطاطها عن افق الغربی ثمانیة عشر درجة یری الضوء مرتفعاً مستطیلاً و یکون الظلمة بین الأفق والضوء یسمی شفق الکاذب' پس ۱۸ درجہ پر ہونے کے وقت افق کا تاریک رہنا اس بات کی دلیل ہے کہ ۱۸ درجہ پر شفق ابیض غربی غائب ہوتی ہے اور شرقی طلوع ہوتی ہے۔

۶۔ صبح، فجر و شفق کا تقابل بھی قرینہ واضحہ ہے کہ صبح سے صبح صادق ہی مراد ہے کیوں کہ شفق کا اصلاً دو ہی معنی ہے، احمر اور ابیض اور فجر و شفق دونوں متعاکس ہیں لہٰذا ابیض کے مقابل فجر صادق ہی ہے البتہ احمر کے مقابل اسفار فجر ہے ہاں بیاض مستطیل یعنی شفق کاذب کے مقابل زیادہ سے زیادہ آپ فجر کاذب کہہ سکتے ہیں مگر ان دونوں سے ابتدائے نماز فجر و انتہائے مغرب وعشا کا علاقہ نہیں ہے۔ حتیٰ کہ امور دنیا بھی ان سے متعلق نہیں جیسا کہ گزرا۔

۷۔ نیز اگر شفق کاذب مستطیل کا اتصال صبح کاذب مستطیل سے کہیں تو ہمیں مسلم مگر اس وقت تو عشا کا وقت مکمل موجود رہتا ہے نہ کہ معدوم؟ پھر اس کا ذکر بے سود ہوگا۔ اور بہت سے فلکیین نے "یتصل الشفق بالصبح" کی وضاحت میں کہا "ولا یتحقق فی ذالك الموضع وقت العشاء و لا یکون علی اهله صلاة العشاء" (حاشیة شرح الجغمینی ص۹۱ للشیخ عمر خان الشباری اخونزادہ) اور صبح کاذب سے اتصال کے وقت تو وقت عشا کا ہونا مسلم ہے۔

۸۔ کیا ایک جگہ کا مشاہدہ پوری دنیا کے درجات شمس متعیّن کرنے کے لیے کافی ہے؟

جواب: بیشک کسی ایک جگہ کا مشاہدہ پوری دنیا کے درجات شمس وغیرہ متعیّن کرنے کے لیے کافی ہے۔

۱۔ فقہائے کرام اور ماہرین فلکیات نے اس اصول کو کسی ملک و شہر کے لیے خاص نہیں کیا بلکہ مطلق بیان کیا۔ اگر یہ برائے عموم نہ ہوتا تو ضرور کہیں نہ کہیں تخصیص کی گئی ہوتی،

۲۔ مشاہدہ کا مدار کسی خاص، خاص عرض بلد پر نہیں ہے بلکہ افق سے سورج کے قرب و بعد سے اس کا تعلق ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ وہ مشاہدہ فلاں ملک کا ہے۔ یہ فلاں بلاد کا ہے اور یو۔کے کے لیے الگ مشاہدہ درکار ہے۔ علم ہیئت کے اصولوں سے عدم واقفیت کا بین ثبوت ہے۔

۳۔ کاکاخیل صاحب کراچی کہتے ہیں:

" یہ ضابطہ پوری دنیا کے لیے ہے۔ اسی کو انگریزی میں اسٹرانیمیکل ٹوالائٹ کہتے ہیں۔ جس کے لیے ۱۸ درجے کا ضابطہ پوری دنیا کے لیے ہے۔ البتہ اس ۱۸ درجے میں کتنے گھنٹے اور منٹ ہوں گے یہ ہر عرض بلد کے لیے مختلف ہے"۔

ڈاکٹر طاہر القادری صاحب لکھتے ہیں:

" ۱۸ ڈگری کا قاعدہ کسی خطہ عرضی کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ عمومی ہے"۔ (روزہ اور نماز فجر کے وقت کی ابتدا، از علامہ ساجد القادری ص۱۷)

۴۔ خواجۂ علم و فن فرماتے ہیں:

" عشا اور فجر کے لیے بُعد کوکب ۱۸ ڈگری ہوتا ہے۔ عرض البلد کے اختلاف سے بُعد کوکب میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا۔"

۵۔ ڈاکٹر شوکت عودا، اردن، استاذ ابوعلی حسن مجاصی، ڈاکٹر مراکشی وغیرہم ماہرین فلکیات نے تصریح فرمائی ہے۔

" فی کل عرض و فی کل زمان " (ایضاح قول الحق، تقدیر موعدی صلاة الفجر و العشاء، وغیرہ)

۶۔ پھر عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کیوں کہ رات میں کسی خاص اونچائی کی دیوار کے پیچھے ایک چراغ رکھیں۔ تو دوسری طرف دیوار کے اوپر جو روشنی کی کیفیت ہوگی وہی کیفیت دنیا کے کسی بھی خطے کی اسی خاص بلندی والی دیوار کے اوپر کی ہوگی۔

....باقی آئندہ

نماز کی حالت میں سینہ پر ہاتھ رکھنے والی روایات

تحقیق و تنقید کی روشنی میں

ازہار احمد امجدی مصباحی

سینہ پر ہاتھ باندھنے سے متعلق ابن ِخزیمہ والی روایت کو ذاکر نائک وغیرہ حدیث صحیح کہتے ہیں۔

بارہویں صدی میں پیدا ہونے والی فرقہ پرست قوم جس کے وجود کا مقصد ہی امت مسلمہ کی تکفیر و تضلیل کرنا ہے، یہ ایک زمانہ سے بلکہ جب سے معرض وجود میں آئی اسی وقت سے اس بات کا دعوی کرتی آرہی ہے کہ وہ اور اس کے قدم سے قدم ملاکر چلنے والے لوگ ہی قرآن و حدیث پر عمل کرنے والے ہیں، ان کے سوا جتنے لوگ ہیں، خواہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور ان کی اتباع کرنے والے ہوں، یا امام دار الہجرہ امام مالک علیہ الرحمۃ اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے ہوں، یا امام شافعی علیہ الرحمۃ اور ان کے ماننے والے ہوں، یا امام احمد ابن حنبل علیہ الرحمۃ اور ان کے پیروکار ہوں، اگرچہ یہ حضرات قرون فاضلہ کے جید علما، فقہا، محدثین اور مجتہدین عظام میں سے ہیں، جن کی آرا کی اتباع ساری دنیا کے لوگ کرتے ہوئے نظر آرہے ہیں، مگر پھر بھی یہ فرقہ پرست قوم عام لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے ان حضرات کے نقش قدم پر چلنے والے لوگوں کو شیوخ پرست بلکہ نفس اور خواہش پرست جیسے القاب سے متّصف کرتی ہے، اور انہیں احادیث ضعیفہ پر عمل کرنے کا الزام دیتی ہے، حالاں کہ یہ قوم اگر اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھنے کی کوشش کرے تو ضرور اسے نظر آجائے گا کہ وہ خود تعصب اور نفس پرستی کے دلدل میں پھنسی ہوئی ہے، عام امت مسلمہ کی مخالفت کرتی ہوئی نظر آرہی ہے، اور اس کے ماننے والے بعض لوگ تعصب کا ایسا عینک پہنے ہوئے ہیں کہ اگر اہل سنت وجماعت کے موقف کی حدیث ہے تو وہ موضوع یا ضعیف ہے، اگرچہ محدثین و ناقدین کے نزدیک صحیح و حسن ہو، اور اگر ان کے موقف کی حدیث ہے تو وہ صحیح و حسن ہی ہے، خواہ وہ نقاد اور ماہرین کے نزدیک ضعیف ہی کیوں نہ ہو، جب سے اس فرقہ کا وجود ہوا ہے، اس نے امت مسلمہ پر ظلم و بربریت کا پہاڑ ہی توڑا ہے، البتہ اس فرقہ کو امت مسلمہ کے دشمنوں کفار سے بڑی محبت ہے، انہیں اپنے دیار میں بیٹھاکر پالتی پوستی اور جوان کرتی ہے، مگر اسے ذرہ برابر اپنی پشیمانی کا احساس نہیں ہوتا، اللہ تعالی انہیں ہدایت عطا فرمائے، آمین۔

اس فرقہ پرست کے بعض متبعین میں سے ایک ذاکر نائک ہے۔ جسے نہ تو قرآن صحیح سے پڑھنا آتا ہے، اور نہ ہی حدیث اور اصول حدیث سے اسے کوئی آگہی۔ وہ کہتا ہوا نظر آتا ہے کہ نماز کی حالت میں سینے پر رکھنے کے متعلق ابن خزیمہ والی روایت کردہ حدیث صحیح ہے!! اس سے زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ بعض احباب کے ذریعہ پتہ چلا کہ اس فرقہ پرست کے بعض نیپالی متبعین کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ جب سے مجھے پتہ چلا کہ سینہ پر ہاتھ رکھنے سے متعلق چالیس حدیثیں وارد ہیں، میں سینے پر ہاتھ رکھنے لگا!!! نیز ان کے بعض متبعین سینے پر ہاتھ رکھنے میں اتنا غلو اور تشدد کرتے ہیں کہ ہاتھ کو گلے تک پہونچا دیتے ہیں، دیکھنے میں ایسا لگتا ہے کہ اپنا گلا اپنے ہاتھوں خود ہی گھوٹ رہے ہیں! اس فرقہ پرست کا یہ غلو اور تشدد اس حد تک پروان چڑھ چکا کہ وہ اپنے سوا کسی کو حق پر ہی نہیں سمجھتی!!! خیر آج کا میرا یہ مقالہ نماز کی حالت میں سینہ پر ہاتھ باندھنے والی روایات کی تحقیق و تحلیل پر مشتمل ہے، اس فرقہ پرست کے نزدیک ان روایتوں میں سے قوی ترین روایت ابن خزیمہ کی اپنی صحیح میں روایت کردہ حدیث ہے جس کی تحقیق آپ عنقریب ملاحظہ فرمائیں گے، قارئین کرام سے گزارش ہے کہ وہ تعصب کا عینک اتار کر اس مقالہ کو بغور پڑھیں، پھر فیصلہ کریں کہ یہ روایتیں اصول حدیث کی روشنی میں صحیح ہیں یا حسن یا ضعیف، اللہ تعالی سے دعا ہے کہ اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ ء طفیل میں مسلمانوں کو گمراہ گر علما سے محفوظ، اور انہیں سنیت پر قائم و دائم رکھے، اور اسی پر خاتمہ نصیب فرمائے۔ آمین۔

(۱) حدیث وائل بن حجر رضی اللہ تعالی عنہ:

ابن خزیمہ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

نا موسی، نا مؤمل، نا سفیان، عن عاصم بن کلیب، عن أبیه عن وائل بن حجررضی اللہ عنه قال:(صلیت مع رسول اللہ ﷺ وضع یده الیمنی علی یده الیسری علی صدره)

ترجمہ:وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی، آپ فرماتے ہیں:

"میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھا، آپ ﷺ نے اپنے داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر سینے پر رکھا"۔

سند پر کلام: اس حدیث کی سند میں ایک راوی مؤمل بن اسماعیل ہیں، میرے علم کے اعتبار سے یہی وہ ایک روای ہیں جو سفیان ثوری سے لفظ (علی صدره) کے ذکر کرنے میں منفرد ہیں، باقی دوسرے راویوں نے سفیان ثوری سے روایت کرنے میں اس لفظ یعنی (علی صدره) کو ذکر نہیں کیا ہے، قارئین ان حضرات کے اسما ملاحظہ فرمائیں:

(۱)عبد اللہ بن الولید (مسند احمد، رقم:۱۸۸۷۱) (۲)عبد الرزاق صنعانی (مصنف عبد الرزاق، رقم: ۲۵۲۲) اور عبد الرزاق سے امام احمد بن حنبل نے روایت کی ہے (مسند احمد، رقم:۱۸۸۵۸) (۳)ابو نعیم فضل بن دکین (مسند احمد، رقم:۱۸۸۶۷) (۴)محمد بن یزید مخزومی (صحیح ابن خزیمہ، رقم:۶۹۱) (۵)محمد بن یوسف (سنن النسائی، رقم:۱۲۶۴) (۶)وکیع بن الجراح (مسند احمد، رقم:۱۸۸۴۵) (۷)یحی بن آدم (مسند احمد، رقم: ۱۸۸۶۷) (۸)محمد بن عبد اللہ بن یزید مقری (سنن النسائی، رقم:۱۱۵۹)

یہ آٹھ حضرات جنہوں نے اس حدیث کو سفیان ثوری سے روایت کی ہے مگر ان میں سے کسی نے بھی اس لفظ یعنی (علی صدره) کو ذکر نہیں کیا جس کو روایت کرنے میں مؤمل بن اسماعیل منفرد ہیں۔

نیز اس حدیث کی روایت کرنے میں ایک جماعت نے سفیان ثوری کی متابعت بھی کی ہے مگر ان میں سے کسی نے بھی (علی صدره) کا ذکر نہیں کیا ہے، ان کے اسما یہ ہیں:

(١)سفیان بن عیینه (مسند الحمیدی، رقم: ٩٠٩، سنن النسائی، رقم: ١٢٦٣) (٢)محمد بن الفضیل (صحیح ابن خزیمه، رقم: ٤٧٨، ٧١٣) (٣)عبد الواحد بن زیاد (مسند احمد، رقم: ١٨٨٥٠) (٤)زهیر بن معاویه (مسند احمد، رقم: ١٨٨٧٦) (٥)شعبه بن الحجاج (مسند احمد، رقم:١٨٨٥٥، قرة العینین برفع الدین فی الصلاة للبخاری، رقم:٢٦، صحیح ابن خزیمه، رقم:٦٩٧، ٦٩٨) (٦)عبد العزیز بن مسلم (مسند احمد، رقم:١٨٨٦٥) (٧)زائده بن قدامه (سنن الدارمی، رقم: ١٣٩٧، مسند احمد، رقم: ١٨٨٧٠، قرة العینین برفع الدین فی الصلاة للبخاری، رقم: ٣٠، سنن ابی داؤد، رقم: ٧٢٧، صحیح ابن خزیمه، رقم: ٤٨٠، ٧١٤، المنتقی لابن الجارود، رقم: ٢٠٨) (٨)عبد اللہ بن ادریس (قرة العینین برفع الدین فی الصلاة للبخاری، رقم:٣١، سنن ابن ماجه، رقم: ٨١٠، ٩١٢، سنن الترمذی، رقم: ٢٩٢، سنن النسائی، رقم:١١٠٢، صحیح ابن خزیمه، رقم: ٤٧٧، ٦٤١، ٦٩٠، ٧١٣) (٩) بشر بن المفضل (سنن ابی داؤد، رقم: ٧٢٦، ٩٥٧، سنن ابن ماجه، رقم: ٨١٠، ٨٦٧، سنن النسائی، رقم: ١٢٦٥) (١٠) سلام بن سلیم (مسند الطیالسی، رقم: ١٠٢٠) (١١)خالد بن عبد اللہ (السنن الکبری للبیهقی، رقم: ٢٧٨٤)

ان سب نے اس حدیث کو "عن عاصم بن کلیب، عن کلیب، عن وائل" روایت کیا مگر کسی نے بھی اس زیادتی یعنی (علی صدره) کا ذکر نہیں کیا ہے۔

نیز اس حدیث کو وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کلیب کے علاوہ (۱)علقمہ بن وائل (۲) و مولی لهم نے روایت کیا ہے (مسند احمد، رقم:١٨٨٦٦ ، صحیح مسلم، رقم:٤٠١، مستخرج ابی عوانه، رقم:١٥٩٦، صحیح ابن خزیمه، رقم: ٩٠٥، السنن الکبری للبیهقی، رقم: ٢٥١٥)اور (۳) عبد الجبار بن وائل نے بھی وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے (مسند احمد، رقم:١٨٨٧٣، سنن الدارمی، رقم:١٢٧٧) اور ان لوگوں نے بھی لفظ (علی صدره) کا ذکر نہیں کیا۔

اس زیادتی یعنی (علی صدره) کا سفیان ثوری، عاصم بن کلیب، اور وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تلامذہ کی روایت میں وارد نہ ہونا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اسماعیل بن مؤمل کو اس زیادتی کی روایت کرنے میں وہم ہوا ہے، لہٰذا یہ زیادتی صحیح اور قابل قبول نہیں۔

مناسبت کے پیش نظر ضروری سمجھتا ہوں کہ راوی مؤمل بن اسماعیل کے بارے میں محدثین وناقدین کے اقوال ذکر کردئے جائیں تاکہ ان کی زیادتی والی روایت کا حکم صحیح طور پر بیان کیا جاسکے، قارئین کرام آپ ان کے بارے میں محدثین وناقدین کے اقوال ملاحظہ فرمائیں:

امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (مؤمل بن اسماعیل صدوق، سنت کے معاملہ میں شدید کثرت سے خطا کرنے والے ہیں، اور کہا جاتا ہے

کہ آپ نے اپنی کتابیں دفن کردیں، اور حافظہ پر اعتماد کرکے حدیث بیان کیے جس کی وجہ سے آپ سے غلطی واقع ہوئی)
(الکاشف، رقم: ۵۷۴۷)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:
(ابن معین سے مروی ہے کہ وہ ثقہ ہیں، امام بخاری فرماتے ہیں: (منکر الحدیث ہیں) اور امام بخاری جس کے بارے میں 'منکر الحدیث' فرمادیں ان سے روایت کرنا حلال نہیں۔

یعقوب بن سفیان فرماتے ہیں:
(سلیمان بن حرب ان کی تعریف کرتے تھے اور ہمارے شیوخ ان سے قریب رہنے کی وصیت کرتے تھے، مگر ان کی حدیث ان کے اصحاب کے مشابہ نہیں، اہل علم پر واجب ہے کہ ان کی حدیث سے احتراز کریں کیوں کہ وہ اپنے ثقات شیوخ سے مناکیر روایت کرتے ہیں، اگر وہ یہ مناکیر ضعفا سے روایت کرتے تو اسے ان کے عذر کے منزل میں رکھ دیا جاتا)

اور ابن سعد فرماتے ہیں: (ثقة، كثير الغلط)
یعنی ثقہ ہونے کے ساتھ غلطی بہت کرتے ہیں۔
اور ابن قانع فرماتے ہیں: (صالح يخطى)
یعنی صالح ہیں مگر خطا کرتے ہیں۔
اور امام دارقطنی فرماتے ہیں: (ثقة، كثير الخطا)
یعنی ثقہ ہونے کے ساتھ خطا بہت کرتے ہیں۔
اور اسحاق بن راہویہ نے فرمایا:
(ہم سے ثقہ مؤمل بن اسماعیل نے حدیث بیان کی)
اور محمد بن نصر مروزی نے فرمایا:
(مؤمل بن اسماعیل اگر کسی حدیث کی روایت کرنے میں منفرد ہوں تو توقف ضروری ہے، کیوں کہ ان کا حافظہ خراب ہے، اور غلطی بھی بہت کرتے ہیں)(تهذيب التهذيب، رقم: ٦٨٢)

اور امام ذہبی لکھتے ہیں: (ابو زرعہ فرماتے ہیں: في حديثه خطأ كثير) (ميزان الاعتدال، رقم: ٨٩٤٩)

یعنی ان کی حدیث میں کثرت سے خطا پائی جاتی ہے، ابن حجر عسقلانی ان کے بارے میں خلاصہ کلام کے طور پر فرماتے ہیں:
(صدوق سيء الحفظ)(تقريب التهذيب، رقم: ٧٠٢٩)
یعنی فی نفسہ سچے ہیں مگر ان کا حافظہ خراب ہے۔

حکم: ان کے بارے میں ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے خلاصہ کلام کے طور پر فرمایا: صدوق سيء الحفظ، اور ایسے وصف سے متصف راوی کی حدیث ضعیف ہوتی ہے، اور جب ضعیف راوی ثقہ یا ثقات کی مخالفت کرے تو وہ روایت منکر کہلاتی ہے، اور اس کے بالمقابل جو حدیث ہوتی ہے اسے معروف کہا جاتا ہے، لہٰذا یہاں پر مؤمل بن اسماعیل کی روایت جس میں (على صدره) کا ذکر ہے ضعیف و منکر ہوگی، اور جنہوں نے (على صدره) کا ذکر نہیں کیا ہے وہ معروف ہوگی، اور محدثین کے نزدیک عمل معروف حدیث پر ہوتا ہے منکر پر نہیں، اور اگر ہم متشددین اور غیر مقلدین کا طریقہ اختیار کریں اور صرف امام بخاری کے قول 'منکر الحدیث' کو لے لیں تو ہمیں یہ کہنے میں جھجھک محسوس نہیں ہوگی کہ مؤمل بن اسماعیل سے حدیث ہی روایت کرنا جائز نہیں، چہ جائے کہ ان کی حدیث پر عمل کیا جائے! کیوں کہ جن کے بارے میں امام بخاری 'منکر الحدیث' فرمادیں ان سے روایت کرنا جائز ہی نہیں! نیز اس حدیث کی سند میں سفیان ثوری ہیں جن کا مذہب و عمل خود اس روایت کے خلاف ہے، اور جب راوی کا عمل روایت کے خلاف ہو تو راوی کے عمل کو لیا جاتا ہے، اور یہی اکثر حفاظ کرام، محققین و ناقدین امام یحیٰ بن معین، یحیٰ بن سعید اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ وغیرہ کا ہے۔
(الاشفاق على احكام الطلاق للكوثرى، ص ٤٤)

امام ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
(اس قائدہ کے پیش نظر امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور اکثر حفاظ نے بہت ساری احادیث کو ضعیف قرار دیا ہے)
(شرح علل الترمذی، ص ۴۰۹)

ان تمام احوال کے باجود صاحب عون المعبود اور صاحب تحفۃ الاحوذی کا اس حدیث کو صحیح قرار دینا عجیب و غریب بلکہ حد درجہ تعجب خیز ہے!! بہر حال یہ حدیث ضعیف اور قابل عمل نہیں، و اللہ اعلم.

بہت سارے لوگ ابن خزیمہ کا اس روایت کو اپنی صحیح میں ذکر کرنے کی وجہ عام طلبہ و علما اور عوام کو دھوکا دینے اور مغالطہ میں ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں، اور طرح طرح کا حیلے تلاش کرتے ہیں، ذیل میں حیلے اور ان کے جواب ملاحظہ فرمائیں:

ابن خزیمہ علیہ الرحمہ اور اس حدیث کی تصحیح !!
مخالفین کبھی یہ کہتے ہیں، اس حدیث کی تصحیح ابن خزیمہ رضی اللہ عنہ نے خود کی ہے، چنانچہ صاحب العون عظم آبادی لکھتے ہیں:

(ابن سید الناس رحمہ اللہ نے ترمذی کی شرح میں وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کو ذکر کیا، اور فرمایا: ابن خزیمہ علیہ الرحمہ نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے) اور صاحب تحفۃ الاحوذی مبارکپوری نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ: (علامہ محمد قاسم سندھی رحمہ اللہ نے ابن خزیمہ علیہ الرحمہ کی جانب سے اس حدیث کی تصحیح کیے جانے کا اعتراف کیا ہے)

ڈاکٹر محمد عوامہ دام ظلہ فرماتے ہیں:

حضرت وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہے، اس کے بعض الفاظ کے صحیح ہونے میں کلام نہیں، البتہ جس میں اس بات کا ذکر ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں کو سینہ پر رکھا، اس پر ضرور کلام ہے، اور جس کی تصحیح ابن خزیمہ علیہ الرحمہ نے کی ہے، اور جس کو ابن سید الناس رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے، اسی کو ابن حجر علیہ الرحمہ نے بھی 'فتح الباری' میں ذکر کیا ہے، آپ فرماتے ہیں: سنن ابی داؤد اور سنن نسائی میں حضرت وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روات کردہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں
:

" ثم وضع يده اليمنى على ظهر كفه اليسرى، و الرسغ من الساعد."(ج۲ ص۲۲۴)

اسی کو ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے صحیح قرار دیا ہے، اور حضرت وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ حدیث جس میں "علی صدرہ" کا اضافہ ہے، ابن حجر علیہ الرحمہ 'فتح الباری' میں اس کے حوالہ سے فرماتے ہیں:

(ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے حضرت وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث روایت کی ہے، اس میں ((انہ وضعھما علی صدرہ)) اور بزار نے اپنی مسند میں روایت کی ہے، اس میں ہے: ((عند صدرہ)) مگر ابن حجر رحمہ اللہ نے اس زیادتی کے ساتھ روایت کردہ حدیث کو صحیح نہیں قرار دیا، نہ تو فتح الباری، اور نہ ہی التلخیص الحبیر اور نہ ہی الدرایہ میں، کہیں بھی آپ نے اس حدیث کی تصحیح نہیں فرمائی، اسی طرح امام نووی علیہ الرحمہ نے شرح المہذب، الخلاصہ اور شرح مسلم میں ان کی تصحیح کا ذکر نہیں کیا، اگر ابن خزیمہ علیہ الرحمہ نے اس زیادتی والی روایت کردہ حدیث کی تصحیح فرمائی ہوتی تو یہ دونوں حضرات ضرور نقل کرتے، کیوں کہ انہیں اپنے مذہب کو ثابت کرنے کے لیے اس کی زیادہ ضرورت تھی، لہٰذا ان کا ذکر نہ کرنا اس بات پر دال ہے کہ ابن خزیمہ علیہ الرحمہ نے اس ((وضعھما علی صدرہ)) والی روایت کی تصحیح نہیں فرمائی ہے، واللہ اعلم۔

یہ حدیث ابن خزیمہ علیہ الرحمہ کی شرط پر ہے!!

بعض لوگ مغالطہ میں ڈالنے کے لیے کہتے ہیں: اس حدیث کو ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے، لہٰذا یہ حدیث ان کی شرط پر صحیح یا حسن ہوگی۔

ڈاکٹر محمد عوامہ دام ظلہ فرماتے ہیں:

یہ قول درست نہیں، کیوں کہ ابن خزیمہ علیہ الرحمہ کا اپنی صحیح میں احادیث ذکر کرنے کا منہج وہی ہے جو امام ترمذی کا اپنی سنن اور امام حاکم علیہ الرحمہ کا اپنی کتاب مستدرک میں ہے، ہر ایک اپنی کوشش اور جہد کے مطابق ہر حدیث پر منفرد حکم لگاتا ہے، پس جس طرح امام ترمذی اور حاکم علیہ الرحمہ کا سکوت صحت یا ضعف پر دلالت نہیں کرتا، اسی طرح ابن خزیمہ علیہ الرحمہ کا اپنی صحیح میں حدیث ذکر کرنا اور سکوت اختیار کرنا بھی حدیث کی صحت یا ضعف پر دلالت نہیں کرتا، لہٰذا جس نے حدیث کو صرف اس وجہ سے صحیح قرار دیا کہ ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے اس حدیث کو اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے، وہ متساہل ہے، خطا کار ہے، خاص کر اس صورت میں جب کہ آپ نے اس حدیث پر کوئی حکم ہی نہ لگایا ہو

یہاں پر صحیح ابن خزیمہ کی احادیث کے بارے علمائے کرام کی آرا کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

صحیح ابن خزیمہ محدثین کی نظر میں:

ابو بکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ نیشاپوری (ت ۳۱۱ھ) جلیل القدر عالم اور محدث تھے، جس کے نتیجہ میں یہ کتاب عالم وجود میں آئی، محدثین اور فقہائے کرام کے نزدیک بہت اہمیت کی حامل ہے، مگر چونکہ ابن خزیمہ علیہ الرحمہ کی حدیث کی صحت کے لیے شرطیں اعلیٰ نہ تھیں، اور آپ نے صحیح اور حسن کو ایک درجہ میں رکھا، جس کی وجہ سے محدثین کرام نے ان کی کتاب کو صحیحین، سنن ابی داؤد اور سنن نسائی کا درجہ نہ دیا،

بلکہ اس کو سنن ترمذی اور حاکم کی مستدرک کے ساتھ ضم کر دیا، لیکن اس کا مطلب قطعاً یہ نہیں کی ان کی تصحیح کا کوئی اعتبار نہیں، بلکہ ضرور اعتبار ہے مگر یہ تصحیح صحیح اور حسن کے درمیان دائر ہوتی ہے، اور یہی غالب ہے۔

امام سخاوی علیہ الرحمہ ارشاد فرماتے ہیں:

(وكم في كتاب ابن خزيمة أيضا من حديث محكوم منه بصحة، وهو لا يرتقي عن رتبة الحسن. اھ)

(فتح المغیث للسخاوی، ج۱ ص۳۱)

ترجمہ: (صحیح ابن خزیمہ میں بھی بہت ساری ایسی حدیثیں ہیں جس

پر آپ نے صحت کا حکم لگایا ہے، مگر وہ صرف حسن ہیں)

ڈاکٹر محمد عوامہ دام ظلہ فرماتے ہیں:

اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آپ امام ترمذی اور حاکم کی طرح حدیث کے بارے میں سکوت اختیار کرتے ہیں، اور یہ سکوت کبھی ایسی حدیث پر بھی ہوتا ہے جو ضعیف ہوتی ہے، اس لیے آپ کے سکوت اختیار کرنے کا ہر گز یہ مطلب نہیں کہ وہ حدیث صحیح یا حسن ہی ہے، جیسا کہ دور حاضر کے مطلب پرست لوگ گمان کرتے ہیں، کیوں کہ یہ حقیقت کے خلاف ہے، امام زیلعی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

(ابن خزیمہ علیہ الرحمۃ نے ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک حدیث کی تخریج کی ہے، اس میں ہے: ((حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھا اور اسے ایک آیت شمار کی))

(نصب الرایۃ، ج ۱ ص ۳۲۵)

اس حدیث کو حاکم علیہ الرحمۃ نے مستدرک میں ابن خزیمہ علیہ الرحمہ کے طریق سے روایت کی ہے، اس میں ایک راوی 'عمر بن ہارون' ہیں، ان کے بارے میں ذہبی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: محدثین و ناقدین کا ان کے ضعیف ہونے پر اجماع ہے، اور امام نسائی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: وہ متروک ہیں، اس بیان سے واضح ہو گیا کہ صحیح ابن خزیمہ خالص صحیح احادیث پر مشتمل نہیں، بلکہ اس میں صحیح، حسن اور بعض حدیثیں ضعیف بھی ہیں، البتہ غالب وصف اس کی احادیث کا صحاح اور حسان ہونا ہے۔

زیر بحث حدیث کی سند سے اقوی دوسری سند موجود ہے!!

بعض حضرات یہ دعویٰ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں: زیر بحث حدیث مؤمل بن اسماعیل کے علاوہ ایک دوسرے طریق سے مروی ہے جو اس سے اقوی ہے!

ڈاکٹر محمد عوامہ دام ظلہ فرماتے ہیں:

یہ صرف دعوی ہے جس کی دلیل اور برہان کا دور دور تک پتہ نہیں، اگر ایسا ہوتا تو اس مذہب کے مؤیدین اسے ضرور ذکر کرتے، مگر وہ اس اقوی طریق کے ذکر کرنے عاجز ہیں، کیوں کہ اس اقوی روایت کا وجود نہیں، چنانچہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صرف مؤمل بن اسماعیل کے طریق سے ہی روایت کی ہے، اگر اس کے علاوہ کوئی قوی طریق ہوتا تو یقینا امام بیہقی رحمہ اللہ اسے ضرور ذکر کرتے، کیوں کہ آپ کی وہ شخصیت ہے جس نے امام شافعی علیہ الرحمہ کے مذہب کی دلائل بطون کتب سے جمع کرنے کی انتھک کوشش کی ہے، اگر اقوی طریق ہوتا تو اسے چھوڑ کر ضعیف حدیث ہرگز اپنے مذہب کے استدلال میں ذکر نہیں کرتے۔ ابن قیم جوزیہ فرماتے ہیں: مؤمل بن اسماعیل کے علاوہ کسی نے بھی ((علی صدرہ)) کا ذکر نہیں کیا ہے، اگر اس سے اوقوی طریق موجود ہوتا تو ابن قیم اس طرح انکار نہیں کرتے، بلکہ اس اقوی دلیل کو ذکر کرنے کا التزام کرتے، بہر حال علما اور محدثین کرام کے اقوال اور طرز استدلال سے پتہ چلتا ہے کہ اس حدیث کا اس سے اقوی طریق موجود نہیں، اور اگر مدعیان کے پاس اس سے کوئی اقوی روایت ہو تو ضروری ہے کہ اسے سامنے لائیں تا کہ ناقدین قواعد حدیث کی روشنی میں پرکھ کر اس کا حکم بیان کر سکیں، اور یہ پتہ کر سکیں آیا وہ قابل عمل ہے یا نہیں، اور رہا صرف دعوی تو یہ بغیر دلیل کے قبول نہیں کیا جا سکتا۔

بعض مخالفین کا مغالطہ اور اس کا جواب:

ابن حجر عسقلانی اللہ فرماتے ہیں:

(وائل بن حجر کی حدیث کو ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے، یہی حدیث صحیح مسلم میں بغیر لفظ علی صدرہ کے موجود ہے)

(الدرایۃ لابن حجر، رقم: ۱٤٦)

اور اسی قول سے صاحب تحفۃ الاحوذی مبارکپوری نے استدلال کیا کہ: (جو سند و متن ابن خزیمہ کی روایت میں ہے وہی سند و متن بغیر (علی صدرہ) کے صحیح مسلم میں بھی موجود ہے، اور صحیح مسلم کی اسناد صحیح ہے، اس لیے صحیح ابن خزیمہ کی اسناد بھی صحیح ہونی چاہیے)

ڈاکٹر محمد عوامہ دام ظلہ فرماتے ہیں:

یہ ایک طرح سے مغالطہ ہے، کیوں کہ اگر متن کو سند کے ساتھ ذکر کیا جائے پھر یہ کہا جائے کہ یہی حدیث صحیح مسلم میں ہے، تو اس طرح یعنی اتحاد سند کا قول کیا جا سکتا تھا، اگر چہ اس صورت میں بھی اشتباہ باقی رہ جاتا ہے، کیوں کہ محدثین کرام کا طریقہ کار رہا ہے کہ جب باقی اسناد کے ساتھ مخرج متحد ہوتا ہے تو اس صورت میں وہ اس طرح کا جملہ استعمال کرتے ہیں، لیکن اگر متن کا ذکر کریں، اور سند کا بالکل ذکر ہی نہ ہو تو ایسی صورت میں اتحاد سند کا قول نہیں کیا جا سکتا، یہاں پر فتح الباری سے ابن حجر رحمہ اللہ کا قول نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے، آپ فرماتے ہیں:

(و حديث وائل عند أبي داوٗد، و النسائي ثم وضع يده اليمنى على ظهر كفه اليسرى، والرسغ مع الساعد، و صححه ابن خزيمة و غيره، و أصله في مسلم بدون الز يادة) (ج۲ ص ۲۲٤)

ابن حجر رحمہ اللہ اپنے اس قول سے صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ابوداؤد اور نسائی رحمہما اللہ نے روایت کی ہے، اور ابن خزیمہ وغیرہ نے اس کی تصحیح بھی کی ہے، اور اس کی اصل یعنی مفہوم حدیث بغیر زیادتی ((علی صدرہ)) کے صحیح مسلم میں موجود ہے، انکی مراد قطعا یہ نہیں کہ جو سند و متن ابوداؤد اور نسائی رحمہما اللہ کی ہے وہی صحیح مسلم کی بھی ہے، اور یہی مفہوم و مفاد اس قول کا بھی ہے جس سے صاحب تحفت الاحوذی مبارکپوری نے استدلال کیا ہے، اس لیے یہ کہنا کہ صحیح مسلم کی سند صحیح ہے اس لیے صحیح ابن خزیمہ کی سند بھی صحیح ہونی چاہیے درست نہیں۔

اور بر سبیل تنزل اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حضرت وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیادتی متن والی جو سند ہے وہی سند صحیح مسلم کے اصل حدیث کی ہے، پھر تو یہ سب سے بڑی دلیل ہوگی کہ متن کی زیادتی غلط ہے، اگر چہ راوی ثقہ ہو، اسے اس زیادتی کے ذکر کرنے میں وہم ہوا ہے، کیوں کہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ صحیح مسلم اور ابن خزیمہ کی سند کے شیخ ایک ہی ہوں اس کے باوجود صحیح ابن خزیمہ میں زائد متن کا ذکر ہو، اور صحیح مسلم میں نہ ہو، بہر کیف امام مسلم رحمہ اللہ کا اسناد کے اتحاد کے باوجود -جیسا کہ بعض لوگ کہتے ہیں- اس زائد متن کا ذکر نہ کرنا، اسے چھوڑ دینا، اور حدیث کو بغیر اس زائد متن کے روایت کرنا، اس بات پر واضح طور پر دلالت کرتا ہے کہ آپ کے نزدیک زیادتی وہم ہے، راوی نے اس کے ذکر کرنے میں خطا کی ہے۔

ابن قیم جوزیہ 'الھدی' میں امام مسلم پر متکلّم فیہ راویوں سے روایت کرنے کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

(امام مسلم رحمہ اللہ کا متکلّم فیہ سے روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں، کیوں کہ وہ اس قسم کے راویوں سے وہی حدیث لیتے ہیں جس کے بارے میں انہیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث راوی کے پاس محفوظ ہے، جیسا کہ کبھی ثقہ کی بعض حدیث کو نہیں لیتے، کیوں کہ انہیں معلوم ہوتا ہے کہ اس ثقہ راوی کو اس حدیث کے روایت کرنے میں غلطی واقع ہوئی ہے، بلکہ امام مسلم علیہ الرحمۃ کبھی کبھی اس کی طرف اشارہ بھی کرتے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں: حماد کی حدیث میں بعض حرف زائد ہے، ہم نے اس کا ذکر قصداً چھوڑ دیا)

اعتراض: اگر یہ کہا جائے کہ شوکانی 'النیل' میں لکھتے ہیں:

(شافعی حضرات اپنے موقف پر اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس کی تخریج ابن خزیمہ نے اپنی تصحیح کے ساتھ کی ہے، وہ وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کردہ حدیث ہے، آپ فرماتے ہیں:

صليت مع رسول الله ﷺ، فوضع يده اليمنى على اليسرى على صدره)

(نیل الأوطار للشوکانی، باب ماجاء فی وضع الیمین علی الشمال، ج۲ ص ۲۲۰)

ڈاکٹر محمد عوامہ دام ظلہ فرماتے ہیں:

اگر شوکانی ابن خزیمہ کی تصحیح ذکر کرنے سے سکوت اختیار کرتے تو ان کے حق میں بہتر ہوتا، جیسا کہ حافظ ابن حجر اور امام نووی رحمہما اللہ اور دیگر حضرات جنہوں نے اس حدیث کو ذکر کیا مگر سکوت اختیار کیا اور ابن خزیمہ کی تصحیح کو ذکر نہیں کیا، کیوں کہ اگر انہوں نے تصحیح فرمائی ہوتی تو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ جن کے پاس صحیح ابن خزیمہ کا اصل نسخہ تھا، جس کی وجہ سے انہوں اپنی کتابوں میں ان کی تصحیحات خوب ذکر کی ہیں، ضرور اس حدیث پر ان کی تصحیح نقل کرتے، اور رہی شوکانی صاحب کی بات تو ان کے پاس صحیح ابن خزیمہ تھی ہی نہیں، اس کے باوجود تصحیح ذکر کرنا عجیب ہے، شاید انہیں ابن سید الناس کے قول سے اشتباہ ہو گیا، یا یہ سمجھ بیٹھے کہ جو بھی حدیث ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں ذکر کی ہے اس کی انہوں نے تصحیح فرمائی ہے، بہر حال ان کا یہ قول 'رکانہ' کی حدیث کے بارے میں ذکر کردہ قول کی طرح ہے، آپ کہتے ہیں: (ابوداؤد نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے) حالاں کہ ابوداؤد کے تمام نسخوں میں مجھے یہ تصحیح نہیں ملی، واللہ اعلم۔

(حاشیۃ نصب الرایۃ ملخصا، ج۱ ص ۳۱۵)

(۲) حدیث ھلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

حدثنا يحي بن سعيد عن سفيان حدثني سماك عن قبيصة بن هلب عن أبيه قال:((رأيت النبي ﷺ ينصرف عن يمينه وعن يساره ورأيته قال: يضع هذه على صدره))

ترجمہ: حضرت ہلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ((میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ وہ نماز سے فارغ ہو کر کبھی داہنی طرف تو کبھی بائیں طرف مڑ جاتے تھے، راوی فرماتے ہیں: میں نے انہیں کہتے ہوئے دیکھا: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے ہاتھوں کو سینے پر رکھتے تھے))

(مسند احمد، رقم: ۲۱۹۶۷)

....(جاری)

****

آپ کے مسائل

مفتیِ اشرفیہ مفتی محمد نظام الدین رضوی کے قلم سے

موبائل فون سے خبر طلاق کا حکم

زید کی شادی اس کی چچازاد بہن ہندہ سے ہوئی تھی۔ زید کے چھوٹے بڑے کئی بچے ہیں۔ زید کی غلط عادتوں کی وجہ سے والدین نے بیزار ہو کر اخبار میں اشتہار دے دیا کہ میں نے زید کو اپنی جائداد سے بے دخل کر دیا اور آج سے زید کے ساتھ میرا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ خبر شائع کرانے میں زید کے سسر جو کہ سگے چچا ہیں، ان کا بھی ہاتھ تھا۔ یہ خبر مشتہر ہونے پر زید کے قرض خواہوں نے ڈرانا، دھمکانا اور مارنا پیٹنا شروع کر دیا۔ زید پریشان ہونے کی وجہ سے اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کو فون کر کے بولا کہ میرے والد اور سسر کی وجہ سے آج مجھے یہ دن دیکھنا پڑ رہا ہے، اس لیے میں بیوی کو طلاق دے دوں گا۔ اس کے بعد ایک طلاق زید نے اپنی بیوی کو دے دی۔ اور پھر سسر کو فون کر کے بولا کہ میں نے طلاق دے دی ہے۔ دو چار روز میں کورٹ سے بھی طلاق کی نوٹس آجائے گی۔ لیکن فون پر نہ تو بیوی کا نام لیا اور نہ ہی کتنی طلاق دی اس کا ذکر کیا، بلکہ غصے میں یہ جملہ بول کر فون بند کر دیا۔ ایک طلاق دینے کے ایک ماہ بعد قرض خواہوں کی قانونی کارروائی کی وجہ سے زید جیل چلا گیا اور جیل جانے کے ایک ماہ بعد بقرعید کے تہوار پر یعنی ایک طلاق دینے کے تقریبًا دو ڈھائی ماہ بعد زید نے فون پر اپنی بیوی سے بات چیت کی اور حال چال لیا، لیکن طلاق کے بارے میں بیوی سے کچھ نہیں بتایا۔ اور اب تک طلاق کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ تقریبًا ڈھائی سال جیل میں رہ کر اب زید رہا ہوا ہے۔ لیکن جیل میں جانے کے بعد پہلی بقرعید پر جو بیوی سے بات ہوئی اس کے بعد دوبارہ بات نہ ہو سکی۔ اور دونوں ایک دوسرے سے جدا بھی ہیں۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہندہ پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں اور اگر ہوئی تو کون سی، تفصیلی جواب عنایت فرمائیں۔ کرم ہوگا۔

نوٹ: زید نے فون پر اپنے سسر کو کہا تھا کہ دو چار روز میں کورٹ سے طلاق نامہ آجائے گا، لیکن تین سال کا عرصہ گزرنے کے بعد اب تک کورٹ سے کوئی طلاق نامہ نہیں آیا۔

الجواب

سائل کا یہ بیان: ”اس کے بعد ایک طلاق زید نے اپنی بیوی کو دے دی“ اگر واقعہ کے مطابق اور صحیح ہے تو زید کی بیوی پر طلاق دیتے ہی ایک طلاق رجعی واقع ہو گئی تھی۔، پھر اگر عدت کے درمیان زید نے اس سے رجعت نہیں کی، یہاں تک کہ عدت کے دن گزر گئے تو وہ زید کے نکاح سے نکل گئی، اس صورت میں وہ جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے۔ فون پر اس نے اپنے سسر سے جو کچھ کہا وہ دی ہوئی طلاق کی خبر ہے۔ اس کا طلاق کے وقوع سے کوئی تعلق نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کورٹ اور طلاق کا مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر ہندہ بذریعہ کورٹ اپنے شوہر زید کے ساتھ نہ رہنے (جدائی) کی اجازت لینا چاہے اور زید کی رضامندی پر کورٹ ساتھ نہ رہنے کا حکم نافذ کر دے تو ایسی صورت میں از روئے شرع طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل جواب عنایت فرمائیں۔ کرم ہوگا۔

الجواب

کورٹ کا بیوی ہندہ کو اپنے شوہر کے ساتھ نہ رہنے کی اجازت دینا محض ایک قانونی اجازت ہے، طلاق نہیں۔ ہندہ اگر عمر بھر شوہر سے الگ رہے تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ طلاق کا اختیار اسلام نے صرف شوہر کو دیا ہے۔ وہ طلاق دے گا تو طلاق پڑے گی اور نہیں دے گا تو نہیں پڑے گی۔

قرآن حکیم میں ہے: بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ.

یعنی شوہر ہی کے ہاتھوں میں نکاح کی گرہ ہے۔

اگر زید و ہندہ میں دوریاں زیادہ ہو گئی ہوں اور باہم نباہ کی کوئی صورت نہ ہو تو زید ہندہ کو ایک طلاق سنت دے کر آزاد کر دے یا ہندہ کورٹ کے ذریعہ اس سے طلاق حاصل کر لے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

زکاۃ کے چند ضروری مسائل

(ا) - میں نے کسی کو کچھ روپے ادھار دیے ہیں، جواب تک

واپس نہیں ملے، کیا ان روپیوں پر زکوۃ ادا کرنی ہوگی؟

(۲)- میں نے تین سال پہلے ایک زمین خریدی تھی۔ اس نیت سے کہ کہ اگر اچھی قیمت ملے گی تو اسے بیچ دوں گا، تو کیا اس پر بھی زکوۃ دینی ہوگی، اگر ہاں تو کس قیمت کے لحاظ سے، جس قیمت میں زمین خریدی گئی تھی، اس قیمت میں یا پھر موجودہ وقت میں جو زمین کی قیمت ہیں، اس قیمت کے لحاظ سے؟

(۳)- میں نے اس زمین کا ایک حصہ بھی بیچ دیا ہے جس کی پوری قیمت مجھے ابھی نہیں ملی ہے، جو پیسے باقی ہیں کیا اس پر بھی زکوۃ دینی ہوگی؟

(۴)- میں نے ایک گاڑی اپنے استعمال کی نیت سے خریدی تھی، اسے بیچنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا، لیکن اب میں اسے بیچنا چاہتا ہوں، اب تک بیچی نہیں ہے تو کیا اس پر بھی زکوۃ دینی ہوگی؟

(۵)- سونے پر جو زکوۃ ہے وہ صرف اس کی اصل قیمت پر ہے یا پھر مزدور کی مزدوری وغیرہ سب ملا کر جو قیمت ہوگی اس کے حساب سے زکاۃ دینی ہوگی؟

الجواب

(۱)- جسے آپ نے روپے قرض دیے ہیں وہ اگر آپ کے قرض دینے کا اقرار کرتا ہے یا آپ کے پاس قرض دینے پر شرعی گواہ ہیں تو آپ پر مالک نصاب ہونے کی صورت میں اس سرمایہ قرض کی بھی زکاۃ فرض ہے۔ اس کی زکاۃ ادا کرتے رہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲)- بیچنے کے لیے جو زمین خریدی جاتی ہے وہ اچھی قیمت ملنے پر ہی بیچی جاتی ہے، اگر خریدار کا یہ پکا ارادہ ہو کہ اچھا دام ملنے پر وہ زمین کو بیچ دے گا، اور اسی لیے اس نے خریدا تو وہ زمین مال تجارت ہے اور دیگر اسباب تجارت کی طرح اس کی زکاۃ بھی فرض ہے، آپ چاہیں تو زمین کی زکاۃ زمین سے ہی نکالیں اور چاہیں تو سالِ زکاۃ پر نرخ بازار سے اس کی جو مالیت ہو اس کی زکاۃ روپے سے ادا کریں۔ اعتبار ہر سال کی موجودہ مالیت کا ہے، یعنی مارکیٹ ویلو کا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳)- جو زمین آپ نے بیچ دی ہے اس کی زکاۃ زمین کے دام پر واجب ہوگی، اس دام پر بھی جو وصول ہو چکا ہے اور اس دام پر بھی جو خریدار کے ذمہ باقی ہے، آپ پورے دام کی زکاۃ ادا کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۴)- اپنے استعمال میں رکھنے کی نیت سے جو گاڑی خریدی اس پر زکاۃ نہیں گو اب آپ کا ارادہ اس کو بیچنے کا ہو، ہاں جب وہ گاڑی فروخت ہو جائے تو اس کے دام پر زکاۃ واجب ہوگی کہ روپے ثمن ہیں اور ثمن پر زکاۃ شرعاً واجب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۵)- سونے چاندی کے زیورات کی زکاۃ سونے چاندی ہی پر ہے، زیورات بنانے کی مزدوری اس میں شامل نہ ہوگی۔ نرخ بازار سے زیورات کے سونے چاندی کی سال زکاۃ پر جو قیمت ہو اس قیمت کے لحاظ سے زیورات کا واجبی دام جوڑ لیں، پھر اس کی زکاۃ نکالیں، رہی مزدوری، وہ نہ سونا ہے نہ چاندی، اس کا اس میں شمار نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ایل آئی سی کی رقم میں زکاۃ کا حکم

مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ C.P.F.، LIC اور ایریر پر بھی زکاۃ کا حکم ہے۔ اب معلوم ہوا تو ۱۹۷۵ء سے لے کر جون ۲۰۰۶ء تک کا ایریر LIC اور C.P.F کی پوری تفصیل پیش کر رہا ہوں، اس کے بارے میں بتائیں کہ ان رقوم پر مجھے کتنی زکاۃ دینی ہوگی؟

الجواب

آپ نے C.P.F. اور LIC وغیرہ رقوم کا جو تفصیلی چارٹ پیش کیا ہے وہ کچھ پیچیدہ اور دقت طلب ہے۔ آپ ہر سال کا ٹوٹل خود تیار کریں، جب تمام سالوں کی رقوم کا ٹوٹل الگ الگ تیار ہو جائے تو پہلے سال کے ٹوٹل میں سے اس کی زکاۃ ڈھائی فی صد نکالیں، مثلاً پہلے سال کا ٹوٹل ہے بارہ سو روپے اور دوسرے سال کا ٹوٹل ہے دو ہزار پچیس روپے۔ پہلے سال کے ٹوٹل کی زکاۃ تیس روپے ہوئی، وہ تیس روپے دوسرے سال کے ٹوٹل سے گھٹا دیں تو دوسرے سال کا باقی ٹوٹل ایک ہزار نو سو پچانوے روپے ہوگا، اب اس کی زکاۃ تقریباً پچاس روپے ہیں وہ پچاس روپے تیسرے کے ٹوٹل سے گھٹا کر بقیہ کی زکاۃ نکالیں، اسی طرح تمام گزشتہ سالوں کی زکاۃ ادا کریں۔

ہمارے پاس نہ تو پچھلے سالوں کا چاندی کا ریٹ ہے اور نہ ہی یہ معلوم کہ ان سالوں میں کتنے روپے پر زکاۃ فرض ہوتی تھی، اور نہ یہ معلوم کہ آپ مالکِ نصاب تھے یا نہیں، لیکن عبادات میں احتیاط پر عمل واجب ہے ممکن ہے کہ ۷۵ء، ۷۶ء میں بارہ سو روپے پر ۵۶؍ روپے، بھر چاندی کا نصاب زکاۃ پورا ہو جاتا ہو، اس لیے احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ آپ ۷۵ء سے لے کر آج تک کے تمام سالوں کی زکاۃ درج بالا طریقے پر ادا کریں۔ اگر بالفرض ان دنوں میں آپ پر زکاۃ فرض نہ رہی ہو تو یہ آپ کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے راستے میں ایک صدقہ ہوگا، جو ثواب کے ساتھ ساتھ فوائد اور برکات کا وسیلہ ہوتا ہے، پھر دل کو بھی اطمینان حاصل ہوگا کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کے واجب مردہ حق مال کو ضرور ادا کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی توفیق اور برکت عطا فرمائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اہل سنت میں اسلوبیاتی بحران...ایک جائزہ

محمد عابد چشتی

اہل سنت وجماعت کی حالیہ رسا کشی، افراتفری، آپسی ناچاقی، حالات اور عصری تقاضوں سے بے خبری، دعوتی مزاج کے فقدان اور ایک دوسرے کے خلاف معاندانہ رویہ نے جہاں اس جماعت کو مذہبی سطح پر مختلف اور گوناگوں بحران سے دوچار کررکھا ہے وہیں خاص طور سے علمی، ادبی اور تبلیغی میدان میں اسلوبیاتی بحران نے زبردست انداز میں اسے اپنی چپیٹ میں لے لیا ہے جس کی وجہ سے اندرون خانہ چپقلش میں تیزی تو آئی ہی، دوسری طرف غیروں کو ہم پر ہنسنے کے ساتھ ساتھ علمی حلقوں میں ہماری امیج ایک غیر سنجیدہ جماعت کے روپ میں متعارف ہوئی اور مزید ہو رہی ہے اور کسی بھی جماعت کے لیے یہ کتنے بڑے نقصان کی بات ہے اس کا اندازہ وہ لوگ لگا سکتے ہیں جو علمی حلقوں کے صاف ستھرا ماحول میں مسلک و جماعت کا کام انجام دے رہے ہیں، مندرجہ ذیل سطور میں ہم اہل سنت و جماعت کی جانب سے ہونے والی مسلسل اسلوب شکنی پر گفتگو کرنے جارہے ہیں امید ہے کہ قارئین اسے پڑھ کر اسلوبیاتی بحران کو اپنے اپنے حلقوں میں کم کرنے کی کوشش کرکے اہل سنت کو اس بحران سے باہر لائیں گے۔

علمی اسلوب: تحریر و تالیف اس کا خاص میدان ہے، تحریر کسی کی بھی ہو اور کسی بھی موضوع پر ہو اگر لکھنے والے نے اپنی تحریر میں علمی اسلوب کا پاس ولحاظ رکھا ہے تو نہ صرف اس کی تحریر کی پذیرائی ہوتی ہے بلکہ اس کے اثرات بھی گہرے اور دیرپا ہوتے ہیں جو قارئین کو سوچنے اور کبھی کبھی اپنے انداز فکر اور ذاتی نظریات کو بدلنے پر مجبور کردیتے ہیں اس کے برعکس اگر کوئی اپنی بات پیش کرنے میں علمی اسلوب کا دامن چھوڑتا ہے تو لاکھ حق پر ہونے کے باوجود اس کی بات بے وزن اور ناقابل اعتبار سمجھی جاتی ہے، خاص کر علمی حلقوں میں ایسی تحریریں ردی کی ٹوکری میں ڈال دی جاتی ہیں نیز تصنیف و تالیف کے میدان میں علمی اسلوب کی پاسداری کا مطالبہ اس وقت اور شدت اختیار کر جاتا ہے جب کہ تحریر کسی نظریہ اور دوسرے کی فکر کے رد اور اس کے غلط ثابت کرنے کے سلسلہ میں لکھی گئی ہو، کسی بھی تحریر کے علمی ہونے کے لیے کن عناصر کا ہونا ضروری ہے بالفاظ دیگر علمی اسلوب کیا ہے؟ اس کی وضاحت کرتے ہوئے ماہر علوم بلاغت علامہ علی الجازم مصری لکھتے ہیں:

”ان یبدا فیہ اثر القوۃ و الجمال، قوتہ فی سطوع بیانہ و رصانۃ حججہ و جمالہ فی سہولۃ عباراتہ وسلامۃ الذوق فی اختیار الکلمات“ (البلاغۃ الواضحۃ)

یعنی علمی اسلوب میں قوت اور جمال کا اثر نمایاں ہونا ضروری ہے اس کی قوت بیان کی بلاغت اور دلائل کی پختگی میں ہے جب کہ جمال آسان عبارات اور الفاظ کے انتخاب میں ذوق کی سلامتی میں،،

اس عبارت میں تحریر کے علمی ہونے کے لیے جن عناصر کا ذکر کیا گیا ہے ان میں صرف دو نقطہ پر ہم گفتگو کریں گے یعنی دلائل کی پختگی اور الفاظ کے انتخاب میں ذوق کی سلامتی، یہ دو پہلو کسی بھی تحریر و نگارش کے علمی اور باوزن ہونے کے لیے کلیدی حیثیت رکھتے ہیں اور ان دو پہلوئوں کو سامنے رکھ کر کسی بھی تحریر کے علمی یا غیر علمی ہونے کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے یہ جاننے کے بعد جب ہم اہل سنت کے حالیہ تصنیفی لٹریچر پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں حیران کن حد تک مایوسی ہاتھ آتی ہے کہ چھ، سات سال کے اندر لکھی گئی سینکڑوں کتابیں جن کا تعلق تردید ابطال سے ہے ان میں علمی اسلوب کو بالکل نظر انداز کردیا گیا ہے، کسی بھی نظریہ کی مخالفت اور اظہار رائے کا ہر ایک شخص بنیادی حق رکھتا ہے جس پر قدغن نہیں لگایا جا سکتا ہے مگر معاملہ جب علمی سطح کا ہو تو پھر علمی اسلوب کی پاسداری بہر حال لازم و ضروری ہوتی ہے ہمارا مخاطب کوئی بھی ہو، علمی اسلوب کی پاسداری کرنے کے نتیجہ میں ہونے والے فائدہ کا اندازہ ماضی کے واقعات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ کے دور اور بعد میں بھی دیوبندی لٹریچر اور ان کے افکار کا تحریر کے ذریعہ علمی محاسبہ اور تعاقب کرنے والوں کی ایک لمبی فہرست ہے مگر علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ کی ”زلزلہ“ نے جو اثر علمی حلقوں اور خود دیوبند کی فضا میں مرتب کیا کیا معاصرین میں کسی اور کی تحریر اتنی موثر ثابت ہوئی؟ اس کی وجہ خلوص کی کمی نہیں تھی بلکہ جہاں دلائل کے انبار لگائے گئے تو الفاظ کے انتخاب میں وہ

اپنے آپ کو قابو میں نہیں رکھ پایے یا پھر عبارت آرائی تو کی مگر دلائل کی پیش کش میں کمی رہ گئی جب کہ علامہ ارشد القادری صاحب نے ان دونوں پہلوئوں کو ساتھ لیکر ،،زلزلہ،، تصنیف کی اور علمی اسلوب کی بھر پور نمائندگی کر کے زمانہ سے خراج وصول کیا جس کے اثرات ساری دنیا نے دیکھے علامہ ارشد القادری کسی بھی نظریہ کے رد میں نا قابل تردید دلائل دینے کے بعد مخالفین کی صفوں میں تال ٹھونکنے یا پھوہڑ بکنے کے بجاے اس طرح خطاب کرتے تھے:

”ایمان و عقیدہ کا چراغ اگر غل نہ ہوا ہو تو انصاف سے بتایے کہ یہاں دیوبندی علما تضاد بیانی کے شکار نہیں ہوے ہیں۔“ (زلزلہ)

اور موجودہ تردیدی لٹریچر میں جس اسلوب کو اپنایا جا رہا ہے اس کی ایک دو مثال دیکھیے

۱- مجوزین کا چین پولنگ کرنا، یا ڈرائیور کا بے محل من مانی گاڑی کو روکنا بندوں کی اپنی ذاتی قدرت کا اظہار و اختیار ہی تو ہے اور ریل کو روکنے سے مجوزین کی نہ ہڈیاں چکنا چور ہوں گی اور نہ پسلیاں ریزہ ریزہ پورا جسم سلامت۔ بلا وجہ قابلیت بگھارنے کے لیے صفحات کے صفحات سیاہ کیے گیے ہیں اس سے بہتر تو یہ تھا کہ اپنے مقالے کے پورے نو صفحہ پر کالک پوت دیتے تو مرکز کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو جاتا۔“

علمی اسلوب سے عدولی کی یہ عبارت بھی دیکھیں:

۲- مجتہد صاحب! یہ تو بتایئے کہ چلتی ٹرین پر نماز پڑھنے میں آپ کو کیا خوف طاری ہوتا ہے آپ کا ڈر دور کرنے کے لیے آپ کے پیر صاحبان سے دس بیس تعویذات پھونک پھنکوا کر آپ کے گلے میں ڈال دیا جائے گا۔ (سنی آواز اکتوبر ۲۰۱۳)

علمی اسلوب کو برقرار رکھنے کے لیے الفاظ کے انتخاب میں سلامتیِ ذوق کی جس قید کو ذکر کیا گیا ہے کیا اس کے رو سے مذکورہ بالا عبارت اور مقالہ کسی جہت سے علمی معیار پر آتا ہے؟؟؟ ہم صرف ان دو مثالوں پر اکتفا کرتے ہیں ورنہ اندرون خانہ لکھی جانے والی تردیدی کتابوں کی اکثریت علمی اسلوب سے کوسوں دور ہیں جن کو پڑھنے سے طبیعت میں نشاط کے بجائے اضمحلالی کیفیت طاری ہونے لگتی ہے، یہاں بات انداز تخاطب اور الفاظ کے انتخاب کی تھی دوسری طرف علمی اسلوب کے لیے ضروری ہے کہ دلائل قوی ہوں اور ایسے حقائق پر مبنی ہوں جو قارئین کو مطمئن کر دیں مگر موجودہ سنی لٹریچر میں دلائل کے بجائے محض جذباتی باتوں یا ذاتی عقیدت کو دلیل کی شکل دیکر تاریخ کے اہم اور حساس نتائج فراہم کیے جا رہے ہیں ایک عبارت ملاحظہ ہو

”اس طرح کہیں پر گنبد کو توڑنے کی تیاری کی جا رہی تھی یہاں تک کہ گنبد خضری کو منہدم کرنے کی آواز اٹھائی گئی خانقاہی نظام کو تہ و بالا کرنے کی کوشش شدت سے جاری تھی ایسے پر فتن دور میں کوئی خانقاہوں کا محافظ نظر نہیں آ رہا تھا، سب کے قلم غیر متحرک تھے، دنیا والوں کے ڈر خوف کی وجہ یا اقتدار و منصب کے سبب زبانوں پر قفل لگا ہوا تھا، ایسے پر فتن دور میں اللہ نے امام احمد رضا بریلوی کو پیدا فرمایا آپ نے قلم اٹھا کر دنیا کی خانقاہوں پر احسان فرمایا۔“ (ماہنامہ اعلی حضرت دسمبر ۲۰۱۳)

جلی الفاظ کو بار بار پڑھیے کیا جذبات کی آڑ میں یہ سنی تاریخ اور علمائے اہل سنت کی غیر معمولی مساعی پر سوالیہ نشان کھڑا کرنا نہیں ہے؟ اور کیا بلا ٹھوس اور قابل قبول دلیل کے تمام علمایے اہل سنت پر اپنے فرض منصبی سے تغافل کی الزام تراشی نہیں ہے؟؟ سنی لٹریچر میں علمی اسلوب کی اسی کمی نے بہت سارے مسائل کو جنم دیا ہے۔

اسلوب خطابی : وعظ و خطاب دینی اور مذہبی تبلیغ کا ایک معتبر اور مؤثر ذریعہ ہے اگر زبان پر قدرت اور شخصیت میں اثر ہے تو پھر خطابت کے زور سے حالات کے رخ کو بھی موڑا جا سکتا ہے، وعظ و خطاب ہمیشہ سے مذہبی سماج کا ایک غیر منفک جز رہا ہے اور آج بھی ہے خواہ معاشرہ کی اصلاح ہو، اسلامی تعلیمات کی ترسیل یا پھر تردید و ابطال ان سب امور کے خطابت اپنا الگ مقام رکھتی ہے یہ ایک فن ہے اور اس حیثیت سے اس کے اپنے مخصوص عناصر اور اسلوب ہے جس کا تقاضہ ہر ذمہ دار خطیب سے ہوتا ہے کہ وہ اس کی رعایت کرے اگر خطیب خطابت کے اسلوب اور اس کے واجبی عناصر سے ہٹتا ہے تو پھر ایسے خطاب کا منفی اثر عوام تک پہنچتا ہے، اسلوب خطابت سے عمومی طور پر ہمارے یہاں الفاظ کی بندش آواز کا اتار چڑھائو اور فنکارانہ طور پر چند حرکتوں کو لیا جاتا ہے جبکہ ایسا بالکل نہیں ہے ان سب چیزوں سے کبھی کبھی اضافی افادیت تو مل سکتی ہے مگر خطابت کے اصل عناصر اور اسلوب میں ان کو شمار نہیں کیا جا سکتا ہے، علامہ علی الحازم لکھتے ہیں:

”الاسلوب الخطابی ھنا تبرز قوۃ المعانی و الالفاظ و قوۃ الحجۃ و البرھین و قوۃ العقل الخصیب“ (البلاغۃ الواجحۃ)

خطابی اسلوب میں میں الفاظ و معانی، دلائل و براہین اور پختہ عقل کی قوت ظاہر ہوتی ہے،، علی الحازم نے تین لفظوں میں خطابت کے عناصر کے ساتھ ساتھ اس کے اسلوب کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہے یعنی

خطابت میں جہاں الفاظ ومفاہیم کا برمحل اور مناسب استعمال ضروری ہے وہیں دلائل کا ٹھوس اور پختہ ہونا بھی لازمی ہے اس کے بعد خطیب کی دانشمندی اور فہم وفراست کا مرحلہ آتا ہے کہ وہ اپنی عقل کا استعمال کرکے ان دلائل سے اپنی باتوں کو مبرہن کرکے کتنا معنی خیز اور قابل قبول نتیجہ سامعین تک پہنچاتا ہے یہ خطابت کا وہ اسلوب اور طریقہ سے جس کے ذریعہ ہزرروں سامعین کے فکر واعتقاد کی اصلاح کی جاسکتی ہے اور اسے بگاڑا بھی جاسکتا ہے خاص کر موجودہ علمی صدی میں اس اسلوب کی اہمیت پہلے سے کئی گنا زیادہ بڑھ گئی ہے مگر نہایت ہی افسوس کی بات ہے کہ آج کے پڑھے لکھے سماج میں اہل سنت وجماعت کے اندر ایسے خطباء ندارد ہیں جو اسلوب خطابت کو مد نظر رکھ کر اپنی بات عوام میں پیش کریں اس کے برعکس ہمارے یہاں محض جذباتی، بے ڈھنگی اور غیر شائستہ خطابت کو زیادہ فروغ مل رہا ہے جس کی وجہ سے خود ہمارے سنجیدہ لوگ ہم سے متنفر ہورہے ہیں دین کی تبلیغ کیا ہورہی ہے وہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے، ذرا خطابت کا یہ انداز ملاحظہ کریں۔

"سامعین کرام! میں بہت دنوں سے سوچ رہا تھا کہ آخر عورتیں بے پردہ کیوں ہوتی جارہی ہیں ان کے سروں سے ڈوپٹہ کیوں غائب ہوتا جارہا ہے میں نے بہت غور کیا مگر سمجھ میں نہیں آیا آخر میں نے ایک خاتون سے پوچھا کہ کیا بات ہے دوپٹہ کیوں تمھارے سروں سے غائب ہوتا جارہا ہے خاتون سے جواب ملا کہ بازار میں دوپٹہ ہی نہیں ہے اوڑھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا میں نے تعجب سے پوچھا محترمہ سارے دوپٹے کہاں چلے گئے جواب ملا سارے دوپٹے دعوت اسلامی کے مبلغوں نے خرید لیے اور انہوں نے اوڑھنا شروع کردیا ہے۔

(دعوت اسلامی کے رد میں ایک صاحب سجادہ کا خطاب)

اب بنگال کے ایک خطیب کا یہ اسلوب وعظ ونصیحت دیکھیں:

"ارے کرتا اتنا نیچا کے پیجامہ کی ضرورت نہیں اور پیجامہ اتنا اونچا کہ معلوم ہو کسی جیل سے چھوٹ کر آرہے ہیں، داڑھی ایسی کہ ہزاری باغ کا جنگل گویا گھس جائیے تو نکلنے کو رستہ نہ ملے، اجتماع کرتے ہیں یا "الف" اور "ت" ہٹاکر کچھ اور کرتے ہیں۔" (وہابی تحریک کی تردید میں ایک خطاب)

الفاظ کا پھوہڑپن، دلائل کی مضحکہ خیزی اور نتیجہ کی پیشکش میں عقلی دیوالیہ پن ان تینوں چیزوں کو ان دو اقتباس میں دیکھا جاسکتا ہے، اسلوب خطابت سے ہٹی ہوئی ان تقریروں سے قوم وملت کا کیا فائدہ ہوتا ہے آپ خود اس کو محسوس کرسکتے ہیں، اس کی وجہ سے خال یہ ہے کہ ملک بھر میں اگر روزانہ ہونے والے مذہبی اجلاس کے بجٹ کا تخمینہ لگایا جایے تو پچاس لاکھ سے نیچے نہیں آئے گا مگر نتیجہ دیکھا جایے تو پانچ فیصد بھی ہمارے جلسے کامیاب اور مفید ثابت نہیں ہورہے ہیں، یہ صرف دو مثالیں ہیں ورنہ اس طرح کے بے فیض خطبات کی ایک لمبی فہرست ہے۔

اسلوب ادبی: ادبی اسلوب میں ہم شعری ادب کے حوالہ سے اہل سنت میں در آئے بحران کے تعلق سے گفتگو کریں گے، شعر گوئی ایک پاکیزہ اور بہت نازک سا فن ہے جس کے ذریعہ انسان اپنے اندر ابھرنے والے لطیف خیالات اور انوکھے تصورات کی ترجمانی کرتا ہے، شعر کہنے کے لیے صرف حقیقت بیانی یا کسی معلوم واقعہ کی شعری تعبیر کافی نہیں ہے جب تک کہ اس میں خیالات واحساسات کی ایک نادر کیفیت نہ پائی جائے علی الجازم لکھتے ہیں:

"ان هذا الاسلوب يجب ان يكون جميلا، رائعا، بديع الخيال ثم واضحا قويا۔" (البلاغة الواضحة)

اس اسلوب ک لیے ضروری ہے کہ وہ خوبصورت، پرکشش، نادر الخیال، اور بالکل واضح ہو۔

معروف مصری ادیب احمد حسن زیات نے شعر کی جو تعریف کی ہے وہ بھی دیکھیں لکھتے ہیں:

"الشعر هو الكلام الموزون المقفعى المعبر عن الاخيلة البديعة والصور المؤثرة البليغة" (تاريخ الادب العربي)

ان دونوں مثالوں میں جس چیز پر زیادہ فوکس کیا گیا ہے وہ،، لطیف احساسات یا نادر خیالات،، ہے یہ چیز شعر کے لیے روح کی حیثیت رکھتی ہے جس کے بغیر عبارت موزون اور ردیف وقافیہ کے ساتھ تو ہوسکتی ہے مگر ایسے کلام کو شعر اور اس کے نظم کرنے والے کو شاعر کے زمرہ میں رکھنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی ہے، یہی وجہ ہے کہ ابن مالک کی فن نحو کی شہرہ آفاق کتاب "الفیہ ابن مالک" کو شعری ادب میں کوئی حیثیت نہ مل سکی اور نہ ابن مالک کو اس حیثیت قادر الکلام شاعر کی جب کہ مذکورہ کتاب علم نحو کے مسائل پر ایک ہزار اشعار کا مجموعہ ہے جس میں فن شعر کے دیگر عناصر کی رعایت پوری پوری موجود ہے مگر صرف اس لیے کہ ان اشعار میں خیالات اور خوبصورت احساسات کی کمی ہے اسے شعری ادب سے خارج سمجھا گیا جب کہ یہ شعر دیکھیں:

آتش رشک وحسد سے سنگ بھی خالی نہیں
دید موسیٰ کو ہوئی، اور طور جل کر رہ گیا

اس شعر میں اگرچہ ایک خلاف واقعہ بات کو پیش کیا گیا ہے مگر شاعر کی سوچ اور خیال کی ندرت نے اسے شعری ادب میں جگہ دے دی، بتانا یہ مقصود ہے کہ شعر کہنے کے لیے خواہ اس کا تعلق نعت گوئی سے ہو، منقبت خوانی سے ہو یا پھر کسی اور میدان سے اس کے اسلوب اور آداب کا لحاظ رکھنا از حد ضروری ہے مگر افسوس کی بات ہے کہ ایک طرف اردو محبین شعری ادب کے معیار اور اسلوب کو برقرار رکھنے کے لیے رات دن کوششیں کر رہے ہیں مگر دوسری طرف ہمارے مذہبی اسٹیج اور دینی اجلاسوں سے مسلسل شعری ادب میں اسلوب شکنی جاری ہے جس نے ادبا کو خاصا پریشان کر رکھا ہے صرف تک بندی کرنے والے شاعری کے نام پر موٹی موٹی رقم وصول کر رہے ہیں چند نمونے ملاحظہ ہوں۔

مدینہ پاک کی ضیا میں لے کے آیا انڈیا
بحث وہابی نے کیا نبی نے تجھ کو کیا دیا
تو رضوی ڈنڈا جب پڑا تو منھ کے بل وہ گر پڑا
پھٹا وہیں پہ کھوپڑا اسڑا اسڑا اسڑا

یہ شعر بھی دیکھیں :

دشمنان نبی کو گھٹا دیجیے خاک میں ان سبھوں کو مٹا دیجیے
ان کو حشمتی تیور دکھا دیجیے کان پر رکھ کے گھوڑا دبا دیجیے
اعلی حضرت کا شیدائی اعلی حضرت کا فدائی
ان کے نقش قدم پر چلے گا اعلی حضرت کا ڈنکا بجے گا

آخر میں مالے گاؤں کے ایک معروف شاعر کا یہ بند ملاحظہ کرلیں :

اے دین کے غدار بلاؤں کیا رضا کو
کردیں گے تڑی پار بلاؤں کیا رضا کو
تم لوگ یزیدی ہو بتاتے ہو حسینی
چل جائے گی تلوار بلاؤں کیا رضا کو

شعری اسلوب سے کوسوں دور اس طرح کی شاعری کو کیا ادب کے زمرے میں رکھا جاسکتا ہے ؟ اہل سنت و جماعت میں ادبی میدان کا یہ وہ بحران ہے جسے اسٹیجوں کی زینت بنے بے ذوق لوگوں کی حوصلہ افزائی مزید تقویت پہنچا رہی ہے اسی لیے اگر گوپی چند نارنگ جیسے لوگ اپنی صالح تنقید کے ذریعہ اس کی اصلاح بھی کرنا چاہیں تو انہیں ہزار بار سوچنا پڑیگا؛ یہ سب سے بڑی پریشانی کی بات ہے۔

مندرجہ بالا سطور میں ہم نے نفس مضمون پر تبصرہ کیے بغیر اہل سنت و جماعت میں در آیے اسلوبیاتی خامیوں کو مثالوں کے ذریعہ پیش کیا اب ہم یہ بتانے جا رہے ہیں کہ ایک ایسے دور میں جہاں ہر چیز کی سلیقہ مندی کی بات کر جا رہی ہو اور لکھنے پڑھنے سے لے کر کھانے پینے اٹھنے بیٹھنے تک میں اسلوب پسندی کا رجحان ہو وہاں مذہبی میدان میں اس قدر بے اسلوبی کے عام ہونے کی کیا وجہ ہے، جہاں تک میرا خیال ہے اس کی دو اہم وجہ ہیں :

۱ - یہ کہ یہ اسلوبیاتی بحران ایسے افراد کی وجہ سے در آیا ہے جو اپنے فن میں ناپختہ ہونے کے ساتھ ساتھ غیر تربیت یافتہ بھی ہیں اگرچہ ان کے اندر فطری طور پر لکھنے، بولنے، اور شعر کہنے کے صلاحیت ہے مگر ان چیزوں کو نہ من حیث الفن کہیں انہوں نے پڑھا ہے اور نہ ہی کسی مناسب شخص سے رہنمائی ہی ملی نتیجہ یہ ہوا کہ ایسے لوگ اپنے فن کے اظہار میں بے اسلوبی یا سرے سے لا اسلوبی کے شکار ہو گیے اور چونکہ ان کا دائرہ عمل اپنے ہی جیسے لوگوں تک محدود ہے لہذا کسی طرح کی تنقید کا سامنا بھی نہیں کرنا پڑتا کہ کچھ اصلاح ہو۔

۲- دوسری اور آخری اہم وجہ خالص تبلیغی ذہنیت اور دعوتی سوچ و فکر کا فقدان ہے، دراصل جب بھی ہم اپوزیشن میں بولتے ہیں یا لکھتے ہیں خواہ داخلی سطح پر ہو یا پھر خارجی سطح پر اس وقت ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ ہمارے عمل کا مقصد کسی کی اصلاح یا اسے حق کی دعوت دینا ہے بلکہ ہمارے ذہن میں اکثر ایک غدار، دشمن، اور باغی کی شبیہ گردش کرتی ہے جس کا "منھ توڑ جواب" دینا ضروری ہے اس جذبہ کی وجہ سے دعوت و تبلیغ میں ہونے والی نرم گفتاری، حکمت عملی اور اخلاق مندی کو ہم بھول جاتے ہیں اور معاملہ معاندانہ رخ اختیار کرلیتا ہے اور تجربہ یہی ہے کہ ایسے جذبہ میں نکلی ہوئی تحریر ہو یا تقریر یا اشعار کبھی بھی وہ مطلوبہ معیار اور متقاضی اسلوب کے مطابق نہیں ہوسکتے ہیں اور اہل سنت و جماعت کے حالیہ روش ایسے ہی جذبہ کی چغلی کھا رہی ہے۔

بس ایک بات کہہ کر رخصت ہونا چاہتے ہیں کہ تحریر ہو یا شعر و خطابت موضوع خواہ مدح سرائی ہو یا پھر تردید کبھی بھی اسلوب سے سمجھوتا نہیں کرنا چاہیے اس لیے کہ اس سے سوائے شبیہ خراب ہونے کے اور دوسرا کوئی فائدہ وابستہ نہیں ہے جب کہ اگر آپ اپنی پیش کش میں اسلوب کی رعایت کرتے ہیں تو معاندین بھی آپ کو ایک مرتبہ ضرور پڑھیں گے جس سے آپ کا مقصد پورا ہو گا باقی ہدایت دینے والا اللہ ہے خاص کر اپنوں کے خلاف جب بھی لکھیں ایسا نہ لکھیں کہ تحریر میں دور ہی سے نفرت کی بو آئے۔ ☆☆☆☆

طہارت-فطرت کا ایک اہم تقاضا

محمد آصف اقبال (ایم اے) کراچی

سولہویں صدی عیسوی تک یورپ کے باشندے صفائی ستھرائی اور طہارت وپاکیزگی سے ناواقف تھے۔ گندگی سے گھن کھانا تو دور کی بات ہے وہ تو جس مکان میں سوتے تھے اسی میں اپنے پالتو جانور باندھتے تھے اور گھر کے باہر کھلی گلیوں میں قضائے حاجت کرتے تھے۔ روشنی کا انتظام نہ ہونے کے باعث اگر کوئی اندھیرا چھا جانے کے بعد گھر سے باہر نکلتا تو نجاست سے آلودہ ہو کر واپس آتا۔ مکان اور گلی کوچوں کی گندگی کے ساتھ ساتھ ان کے جسم اور روح بھی پراگندہ تھے۔ نہ انہیں قضائے حاجت وجنابت کے بعد استنجا و طہارت کا شعور تھا اور نہ ہی بلند پایہ اخلاق کی معرفت تھی۔ یہ تو اسلام کا نور تھا جس نے اہل یورپ کو روشنی دی، انہیں نفاست وپاکیزگی کا طریقہ اور رہن سہن کا سلیقہ بتایا، انسانی فطرت کے تقاضوں سے آشنا کیا اور اعلی اخلاقی اقدار سے روشناس کروایا۔ جب مسلمانوں کے شہر اپنی صفائی اور خوبصورتی کی وجہ سے دل ونگاہ کو اپنی طرف کھینچ رہے تھے، اس وقت یورپ کے شہروں میں گندگی، غلاظت اور تاریکی کے سوا کچھ نہ تھا۔ اور۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ اندھیروں میں بھٹکنے والا انسان اس طرف دوڑتا ہے جہاں اسے روشنی کی کرن نظر آتی ہے۔ اہل یورپ نے بھی یہی کچھ کیا۔ جب انہیں اپنے ہاں ہر طرف تاریک اور ظلمت نظر آئی تو انھوں نے علم، تہذیب، اخلاق اور خوش حالی کا درس لینے کے لیے مسلمانوں کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ (ضیاء النبی، ج۶، ص۱۰۶)

دین اسلام نے نہ صرف اہل یورپ کو روشنی سے نوازا بلکہ اپنے آفاقی پیغام اور فطرت سے کامل ہم آہنگی کی بدولت دنیا کی تمام ہی اقوام کو نور بانٹا ہے۔ اس مضمون میں ہم اسلام کے صرف اس پہلو پر گفتگو کریں گے کہ توحید و رسالت کی دعوت کے ساتھ ساتھ اسلام نے انسان کو نفاست وپاکیزگی کا تصور دیا اور اس پر کاربند رہنے کی تلقین کی ہے اور حضور خاتم الانبیاء ﷺ کی بعثت کے عظیم مقصد میں یہ بھی شامل تھا کہ امت کو نجاست وگندی سے پاک فرمائیں۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے تعمیر کعبہ کے بعد جو دعا فرمائی اس میں یہ بھی تھا: اے ہمارے رب! ان میں ایسا رسول بھیج جو انہیں خوب ستھرا فرمادے۔ (پ۱، البقرۃ:۱۲۹)

مفسر قرآن ابو الحسن علاء الدین علی بن محمد المعروف امام خازن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں: یعنی ایسا رسول جو انہیں شرک، بت پرستی، ہر قسم کی نجاست وگندگی، گھٹیا حرکتوں اور کوتاہیوں سے پاک کردے۔ (تفسیر خازن، ج۱، ص۹۲)

پھر یہ کہ اسلام دین فطرت ہے اور صفائی ستھرائی اور طہارت وپاکیزگی فطرت کا تقاضا ہے۔ حضور نبی طاہر ومطہر ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: الفطرة خمس الختان والاستحداد وقص الشارب وتقليم الأظفار ونتف الآباط.

یعنی پانچ چیزیں فطرت سے ہیں: (۱) ختنہ کرنا (۲) موئے زیر ناف صاف کرنا (۳) مونچھیں پست کرنا (۴) ناخن تراشنا (۵) اور بغل کے بال اکھیڑنا۔ (صحیح بخاری، ج۴، ص۷۵، الحدیث:۵۸۹۱)

صفائی ستھرائی کی اہمیت وافادیت کو اجاگر کرتے ہوئے شیخ الحدیث حضرت علامہ عبد المصطفیٰ اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں: صفائی ستھرائی کی مبارک عادت بھی مردوں اور عورتوں کے لیے نہایت ہی بہترین خصلت ہے جو انسانیت کے سر کا ایک بہت ہی قیمتی تاج ہے۔ امیری ہو یا فقیری ہر حال میں صفائی وستھرائی انسان کے وقار و شرف کا آئینہ دار اور محبوب پروردگار ہے۔ اس لیے ہر مسلمان کا یہ اسلامی نشان ہو کہ وہ اپنے بدن، اپنے مکان وسامان، اپنے دروازے اور صحن وغیرہ ہر ہر چیز کی پاکی اور صفائی ستھرائی کا ہر وقت دھیان رکھے۔ گندگی اور پھوہڑپن انسان کی عزت و عظمت کے بدترین دشمن ہیں۔ اس لیے ہر مرد وعورت کو ہمیشہ صفائی ستھرائی کی عادت ڈالنی چاہیے۔ صفائی ستھرائی سے صحت وتندرستی بڑھتی رہتی ہے اور سینکڑوں بلکہ ہزاروں بیماریاں دور ہوجاتی ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاکیزگی کو پسند فرماتا ہے۔

(مشکوٰۃ المصابیح، ج۲، ص۹۷،۴۹، الحدیث:۴۴۸۷)

رسول اللہ ﷺ کو پھوہڑ اور میلے کچیلے رہنے والے لوگوں سے بے حد نفرت تھی۔ چنانچہ آپ ﷺ اپنے صحابہ کرام علیہم الرضوان کو ہمیشہ صفائی ستھرائی کا حکم دیتے رہتے اور اس کی تاکید فرماتے رہتے تھے۔ پھوہڑ عورتیں جو صفائی ستھرائی کا خیال نہیں رکھتی ہیں وہ ہمیشہ

شوہر کی نظروں میں ذلیل وخوار رہتی ہیں۔ بلکہ بہت سی عورتوں کو ان کے پھوہڑپن کی وجہ سے طلاق مل جاتی ہے۔ اس لیے عورتوں کو صفائی ستھرائی کا خاص طور پر خیال رکھنا چاہیے۔ (جنتی زیور، ص ۱۳۹)

یہ بھی ضروری ہے کہ بندہ ہر وقت بننے سنورنے ہی میں نہ لگا رہے کہ اس کی بھی ممانعت ہے بلکہ شرع میں جتنی صفائی مطلوب ہے وہ حسب قدرت وطاقت بجالائے۔ ارشادِ رسول ﷺ ہے:

تنظفوا بکل ما استطعتم فان اللہ بنی الاسلام علی النظافۃ ولن یدخل الجنۃ الا کل نظیف۔

ترجمہ: تم سے جتنا ممکن ہو صفائی رکھو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کی بنیاد صفائی پر رکھی ہے اور جنت میں وہی داخل ہوگا جو صاف ستھرا ہوگا۔ (جمع الجوامع، ج ۱، ص ۱۱۱۹۱)

اسلام نے اپنے ماننے والوں کو ہر طرح کی صفائی کا حکم دیا ہے خواہ جسمانی ہو یا روحانی، فرد کی ہو یا معاشرے کی، گھر کی ہو یا مسجد کی یا پھر محلے کی ہو، الغرض اسلام جسم وروح، دل ودماغ، قرب وجوار اور تہذیب وتمدن کو ستھرا رکھنے کا درس دیتا ہے۔ اسے ہر جگہ ترتیب وسلیقہ اور نفاست وعمدہ مطلوب ومحبوب ہے اور گندگی وناپاکی اور غلاظت ونجاست ناپسند ہے۔ صفائی کی اہمیت بتاتے ہوئے حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"الطھور نصف الایمان.

یعنی پاکیزگی آدھا ایمان ہے۔"

(سنن الترمذی، ج ۵، ص ۳۰۸، الحدیث: ۳۵۳۰)

جسم کی صفائی کے متعلق اول الذکر حدیث فطرت میں پانچ طرح کی صفائی کو بیان کیا گیا ہے، اول ختنہ کہ سنت ہے اور یہ شعار اسلام میں ہے کہ مسلم وغیر مسلم میں اس سے امتیاز ہوتا ہے۔ اسی لیے عرف عام میں اس کو مسلمانی بھی کہتے ہیں۔ ختنہ کی مدت سات سال سے بارہ سال کی عمر تک ہے اور بعض علما نے یہ فرمایا کہ ولادت سے ساتویں دن کے بعد ختنہ کرنا جائز ہے۔ (بہار شریعت، ج ۳، ص ۵۸۹)

باقی چار چیزوں کے متعلق صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ہر جمعہ کو اگر ناخن نہ ترشوائے تو پندرھویں دن ترشوائے اور اس کی انتہائی مدت چالیس ۴۰ ردن ہے۔ اس کے بعد نہ ترشوانا ممنوع ہے۔ یہی حکم موچھیں ترشوانے اور موئے زیر ناف دور کرنے اور بغل کے بال صاف کرنے کا ہے کہ چالیس دن سے زیادہ ہونا منع ہے۔ صحیح مسلم کی حدیث انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے، کہتے ہیں کہ "ناخن ترشوانے اور موچھیں کاٹنے اور بغل کے بال صاف کرنے میں ہمارے لیے یہ میعاد مقرر کی گئی تھی کہ چالیس دن سے زیادہ نہ چھوڑیں۔" (صحیح مسلم، ص ۱۵۳، الحدیث: ۲۵۸)

مزید فرماتے ہیں: موئے زیر ناف دور کرنا سنت ہے۔ ہر ہفتہ میں نہانا، بدن کو صاف ستھرا رکھنا اور موئے زیر ناف دور کرنا مستحب ہے اور بہتر جمعہ کا دن ہے اور پندرھویں روز کرنا بھی جائز ہے اور چالیس روز سے زائد گزار دینا مکروہ وممنوع۔ موئے زیر ناف استرے سے مونڈنا چاہیے اور اس کو ناف کے نیچے سے شروع کرنا چاہیے اور اگر مونڈنے کی جگہ ہر تال چونا یا اس زمانہ میں بال اڑانے کا صابون چلا ہے، اس سے دور کرے یہ بھی جائز ہے۔ (بال صفا پاؤڈر اور کریم وغیرہ بھی اسی حکم میں داخل ہیں)، عورت کو یہ بال اکھیڑ ڈالنا سنت ہے۔ (بہار شریعت، ج ۳، ص ۵۸۴)

ممکن ہو تو ہر جمعہ کو یہ کام کرلینا چاہیے، کیوں کہ ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور کریم ﷺ جمعہ کے دن نماز کو جانے سے پہلے موچھیں کترواتے اور ناخن ترشواتے۔

(شعب الایمان، ج ۳، ص ۲۴، الحدیث: ۲۷۶۳)

حجۃ الاسلام امام محمد بن محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

طہارت حاصل کرنے والے کو چاہیے کہ پاکیزگی حاصل کرے، مونچھوں کو پست کرے، بغلوں کے بال اکھیڑے، موئے زیر ناف مونڈے، ناخن کاٹے، ختنہ کرے، وضو میں ہاتھ پاؤں کی انگلیوں کے جوڑ اچھی طرح دھوئے، ناک کی صفائی کا خاص خیال رکھے اور کپڑوں اور بدن کی پاکیزگی کا خوب اہتمام کرے۔

(رسائل امام غزالی، ص ۴۰۷)

صفائی اور پاکیزگی سے متعلق یہ وہ چیزیں ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بھی لازم تھیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: وہ دس چیزیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر واجب تھیں وہ یہ ہیں:

(۱) موچھیں کتروانا (۲) کلی کرنا (۳) ناک میں صفائی کے لیے پانی استعمال کرنا (۴) مسواک کرنا (۵) سر میں مانگ نکالنا (۶) ناخن ترشوانا (۷) بغل کے بال دور کرنا (۸) موئے زیر ناف کی صفائی (۹) ختنہ (۱۰) پانی سے استنجا کرنا۔

صدر الافاضل مفتی نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ یہ قول نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: یہ سب چیزیں حضرت ابراہیم علیہ السلام پر واجب تھیں اور ہم پر ان میں سے بعض واجب ہیں بعض سنت۔

(خزائن العرفان، سورۃ البقرۃ، تحت الآیۃ: ۱۲۴)

ظاہری جسم کی صفائی میں اس قدر مبالغہ اور باریک بینی دین اسلام کا خاصہ اور طرۂ امتیاز ہے۔یہاں تک آیا ہے کہ کھانے کے بعد لکڑی وغیرہ سے دانتوں کا خلال کیا جائے اور دوران وضو اپنے ہاتھ پاؤں کی انگلیوں اور داڑھی کے بالوں کا خلال کیا جائے اور یہ مستحب ہے سراپا پاکیزہ و نفیس حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

تخللوا فإنه نظافة والنظافة تدعو إلى الإيمان والإيمان مع صاحبه في الجنة.

ترجمہ: خلال کیا کرو کیونکہ یہ صفائی ہے اور صفائی ایمان کی طرف بلاتی ہے اور ایمان مومن کے ساتھ جنت میں ہوگا۔

(المعجم الاوسط، ج۷، ص۲۱۵)

دانتوں کی صفائی کے لیے خلال نیم کی لکڑی کا ہو کہ اس کی تلخی سے منہ کی صفائی ہوتی ہے اور یہ مسوڑھوں کے لیے مفید ہوتی ہے۔ بازاری TOOTH PICKS عموماً موٹی اور کمزور ہوتی ہیں۔ ناریل کی تیلیوں کی غیر مستعمل جھاڑو کی ایک تیلی یا کھجور کی چٹائی کی ایک پٹی سے بلیڈ کے ذریعے کئی مضبوط خلال تیار ہو سکتے ہیں بعض اوقات منہ کے کونے کے دانتوں میں خلا ہوتا ہے اور اس میں بوٹی وغیرہ کا ریشہ پھنس جاتا ہے جو کہ تنکے وغیرہ سے نہیں نکل پاتا۔اس طرح کے ریشے نکالنے کے لیے میڈیکل اسٹور پر مخصوص طرح کے دھاگے (flosses) ملتے ہیں نیز آپریشن کے آلات کی دکان پر دانتوں کی اسٹیل کی کریدنی (curved sickle scale) بھی ملتی ہے مگر ان چیزوں کے استعمال کا طریقہ سیکھنا بہت ضروری ہے ورنہ مسوڑھے زخمی ہو سکتے ہیں۔ (فیضان سنت، ج۱، ص289)

دین اسلام میں ظاہری بدن کے ساتھ لباس، بالوں اور استعمال کی دیگر چیزوں کی صفائی پر بھی بہت زور دیا گیا ہے۔ ان چیزوں کی صفائی ستھرائی کے بارے میں بھی کثیر احادیث وآثار وارد ہیں۔ چند روایات ملاحظہ کیجیے:

(۱) حضور کریم ﷺ نے فرمایا: اپنے کپڑے دھوؤ، بالوں کو سنوارو، مسواک کرو، زینت اپناؤ اور صفائی ستھرائی رکھو کیونکہ بنی اسرائیل ایسا نہیں کرتے تھے تو ان کی عورتیں بدکاری میں مبتلا ہوگئیں۔ (کنز العمال، ج۳، جزء۶، ص۲۷۳، الحدیث: ۱۷۱۷۱)

(۲) حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

من كرامة المؤمن على الله نقاء ثوبه ورضاه باليسير

ترجمہ: بندہ مومن کی بارگاہِ الٰہی میں عزت وکرامت سے یہ بھی ہے کہ اس کے کپڑے صاف ہوں اور وہ تھوڑے پر راضی رہے۔

(المرجع السابق، الحدیث:۱۷۱۸۲)

علامہ عبدالروف مناوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تھوڑے پر راضی رہنے سے مراد لباس، کھانے، پانی اور مال و دولت میں کمی پر راضی رہنا ہے اور لباس میں یہ بات پسندیدہ ہے کہ وہ صاف ستھرا ہو اور متوسط درجے کا ہو۔ (التیسیر شرح الجامع الصغیر، ج۲، ص۱۴۷)

(۳) حضرت عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ مسجد میں تھے۔اتنے میں ایک شخص آیا جس کے سر اور داڑھی کے بال بکھرے ہوئے تھے۔آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اس کی طرف اشارہ کیا گویا اسے اپنے بال اور ڈاڑھی کی درستی کا حکم دے رہے ہیں۔وہ درست کر کے حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أليس هذا خيرا من أن يأتي أحدكم وهو ثائر الرأس كأنه شيطان.

یعنی کیا یہ اس سے بہتر نہیں کہ تم میں سے کوئی شیطان کی طرح سر بکھیرے ہوئے آئے۔ (مشکوۃ المصابیح، ج۱، ص۱۳۷، الحدیث:۴۴۸۶)

(۴) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح کی ایک روایت ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ایک بار حضور نبی کریم ﷺ ہمارے گھر ملاقات کے لیے تشریف لائے تو ایک بکھرے بالوں والے کو دیکھا تو فرمایا: کیا اس کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جس سے اپنے بالوں کو سنوارے اور ایک میلے کپڑوں والے شخص کو دیکھ کر فرمایا: کیا اس کے پاس کوئی ایسی شے نہیں جس سے اپنے کپڑے دھولے۔

(مسند ابی یعلی، ج۲، ص۲۷۷، الحدیث:۲۰۲۲)

(۵) حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میری خوبصورت گھنی زلفیں تھیں، رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا: ان کا اچھی طرح خیال رکھنا۔ تو میں دن میں ان کو دو مرتبہ تیل لگاتا تھا۔

(حلیۃ الاولیا، ج۳، ص۱۸۴، الحدیث:۳۶۳۸)

منہ کی صفائی و پاکیزگی بھی ظاہری جسم کی صفائی میں داخل ہے اور اس صفائی کے لیے مسواک سے بڑھ کر کوئی شے نہیں اور اس کی بڑی تاکید آئی ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حضرت جبرائیل علیہ السلام جب بھی میرے پاس آئے انھوں نے مجھے مسواک کرنے کی وصیت کی حتی کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ مجھ پر اور میری امت پر فرض نہ ہو جائے اور اگر مجھے اپنی امت کے مشقت میں پڑنے کا خوف نہ ہوتا تو میں ان پر مسواک کرنا فرض کر دیتا اور میں اس قدر مسواک کرتا

ہوں کہ مجھے خوف ہے کہ کہیں اپنے اگلے دانت زائل نہ کرلوں۔

(سنن ابن ماجہ، ج۱، ص۱۸۶، الحدیث: ۲۸۹)

اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کا معمول تھا کہ جب گھر میں داخل ہوتے تو سب سے پہلے مسواک کیا کرتے۔

(صحیح مسلم، ص۱۵۲، الحدیث:۲۵۳)

اگرچہ منجن، ٹوتھ پیسٹ اور ماؤتھ واش سے بھی منہ کی صفائی ہوجاتی ہے مگر ان سے مسواک والا ثواب حاصل نہ ہوگا جبکہ مسواک عبادت کی نیت سے ہو۔ کیوں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مسواک کو لازم کرلو کہ یہ منہ کی صفائی اور رب تعالیٰ کی رضا کا سبب ہے۔

(مسند احمد، ج۲، ص۴۳۸، الحدیث:۵۸۶۹)

اس حدیث شریف کی شرح کرتے ہوئے حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: اس میں دین و دنیا کی بھلائی ہے۔ خیال رہے کہ مسواک سے مسلمان کا مسواک کرنا بنیت عبادت مراد ہے، کفار کی مسواک اور مسلمانوں کی عادتاً مسواک اگرچہ منہ تو صاف کردے گی مگر رضائے الٰہی کا ذریعہ نہ بنے گی نیز اگرچہ مسواک میں دنیوی اور دینی بہت فوائد ہیں، مگر یہاں صرف دو فائدے بیان ہوئے، یا اس لیے کہ یہ بہت اہم ہیں یا کیوں کہ باقی فوائد بھی ان دو میں داخل ہیں۔ منہ کی صفائی سے معدے کی قوت اور بے شمار بیماریوں سے نجات ہے اور جب رب راضی ہوگیا پھر کیا کمی رہ گئی۔ (مراۃ المناجیح، ج۱، ص۳۶۳)

خاص طور پر نماز سے قبل مسواک ضرور کی جائے کہ اس سے منہ کی صفائی کے ساتھ ساتھ نماز کا ثواب بڑھ جاتا ہے نیز اس میں فرشتوں کی راحت کا سامان بھی ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے: مسواک کے ساتھ دو رکعت پڑھنا بغیر مسواک کے ستر رکعتیں پڑھنے سے افضل ہے۔ (الترغیب والترہیب، ج۱، ص۱۰۲، الحدیث:۱۸)

اور ایک موقع پر ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی رات کو نماز کے لیے کھڑا ہو تو اسے مسواک کرلینی چاہیے کیونکہ جب وہ نماز میں قراءت کرتا ہے تو فرشتہ اپنا منہ اس کے منہ پر رکھ لیتا ہے اور جو چیز اس کے منہ سے نکلتی ہے وہ فرشتے کے منہ میں داخل ہوجاتی ہے۔

(شعب الایمان، ج۲، ص۳۸۱، الحدیث:۲۱۱۷)

اور اگر کوئی نمازی مسواک وغیرہ سے دانتوں میں پھنسے ریزے وریشے وغیرہ نہیں نکالتا تو اس سے فرشتوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ مروی ہے کہ دونوں فرشتوں کے لیے اس سے زیادہ کوئی چیز تکلیف دہ نہیں کہ وہ اپنے ساتھی کو نماز پڑھتا دیکھیں اور اس کے دانتوں میں کھانے کے ریزے پھنسے ہوں۔ (المعجم الکبیر، ج۴، ص۱۷۷، الحدیث:۴۰۶۱)

نماز کی طرح تلاوت اور ذکر و دعا کے لیے بھی مسواک کی رعایت رکھنا چاہیے۔ حدیث شریف میں ہے: طیبوا افواھکم فانھا طرق القرآن. یعنی اپنے منہ صاف رکھو کیونکہ یہ قرآن کا راستہ ہیں۔ (کنز العمال، ج۱، ص۶۰۳، الحدیث:۲۷۵۲)

رئیس المتکلمین مولانا نقی علی خان حنفی رحمۃ اللہ علیہ "احسن الوعاء لآداب الدعاء" میں دعا کا ۵۳واں ادب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: جب قصد دعا ہو پہلے مسواک کرلے کہ اب اپنے رب سے مناجات کرے گا، ایسی حالت میں رائحہ متغیرہ (یعنی منہ کی بدبو) سخت ناپسند ہے۔ خصوصاً حقّہ پینے والے، خصوصاً تمباکو کھانے والوں کو اس ادب کی رعایت ذکر و دعا و نماز میں نہایت اہم ہے، کچا لہسن پیاز کھانے پر حکم ہوا کہ مسجد میں نہ آئے۔ (صحیح مسلم، ص۲۸۲، الحدیث:۵۶۴)

وہی حکم یہاں بھی ہوگا، مع ہذا حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں: "مسواک رب کو راضی کرنے والی ہے۔"

(صحیح بخاری، ج۱، ص۶۳۷، الحدیث:۱۹۳۳)

اور ظاہر ہے کہ رضائے رب باعثِ حصولِ اَرب ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا مراد ملنے کا سبب ہے)۔ (فضائل دعا، ص۱۰۸)

انسانی طبیعت اپنے قرب و جوار سے بہت جلد اثر قبول کرتی ہے اور اچھے یا برے ماحول کے اثرات انسان پر ضرور مرتب ہوتے ہیں خواہ معاملہ معاشرتی برائیوں اور بدکرداریوں کا ہو یا کچرے، غلاظت اور نجاست کے ڈھیروں کا ہو لہٰذا انسان جس گھر، محلے اور علاقے میں رہتا ہے اس کا صاف ستھرا ہونا بھی انتہائی ضروری ہے۔ گھر اور علاقے کا صاف ستھرا ہونا افرادِ معاشرہ کی نفاست، اچھے مزاج، پروقار زندگی اور خوبصورت سوچ کی عکاسی کرتا ہے۔

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: إن الله طيب يحب الطيب نظيف يحب النظافة كريم يحب الكرم جواد يحب الجود فنظفوا افنيتكم ولا تشبهوا باليهود.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ پاک ہے پاکی کو پسند فرماتا ہے، ستھرا ہے ستھرے پن کو پسند کرتا ہے، کریم ہے کرم کو پسند کرتا ہے، جواد ہے سخاوت کو پسند فرماتا ہے تو تم اپنے صحنوں کو صاف ستھرا رکھو اور یہودیوں کے ساتھ مشابہت نہ کرو۔

(سنن الترمذی، ج۴، ص۳۶۵، الحدیث:۲۸۰۸)

اور ایک حدیث شریف میں یوں ہے: فنظِّفوا اَعذِراتِکم

و لا تشبّهوا باليهود تجمع الأكْباء في دورها.

ترجمہ: تم اپنے صحنوں کو صاف رکھو اور یہود سے مشابہت نہ کرو کیونکہ ان کے گھروں میں کچرے ڈھیر رہتے ہیں۔

(غریب الحدیث لابن قتیبۃ، ج۱، ص۲۹۷)

اس حدیث پاک میں ہمیں یہ درس دیا گیا ہے کہ اپنے گھر صاف رکھو۔ لباس، بدن وغیرہ کی صفائی تو بہت ہی ضروری ہے گھر بھی صاف رکھو وہاں کوڑا جالا وغیرہ جمع نہ ہونے دو اور اپنے صحن صاف رکھ کر یہود کی مخالفت کرو کیوں کہ یہود اپنے گھر کے صحن صاف نہیں رکھتے نیز یہود بہت گندے، بہت بخیل، بڑے خسیس، بڑے ذلیل ہیں عیسائی اگرچہ کافر ہیں مگر وہ یہود کی طرح گندے نہیں ان میں کچھ صفائی ہے اگرچہ ان کے بھی دانت میلے منہ بدبودار اور ناخن لمبے ہوتے ہیں۔ ہر طرح کی صفائی تو اسلام نے ہی سکھائی ہے۔

(ماخوذ از: مراۃ المناجیح، ج۶، ص، ملخصًا)۔

ایک بندۂ مومن کا اپنے گھر کے علاوہ مسجد سے بھی گہرا تعلق ہوتا اور وہ بار بار یا وقتاً فوقتاً وہاں حاضری کی سعادت پاتا رہتا ہے اور اپنے خالق ومالک کے حکم کی بجاآوری میں عبادت وریاضت سے مشرف ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کی صفائی وستھرائی بھی ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ

ترجمہ: اور ہم نے تاکید فرمائی ابراہیم واسمٰعیل کو کہ میرا گھر خوب ستھرا کرو طواف والوں اور اعتکاف والوں اور رکوع وسجود والوں کے لیے۔ (پ۱، البقرۃ:۱۲۵)

صدر الافاضل مفتی نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ سورۃ توبہ کی آیت ۱۸ کے تحت رقم طراز ہیں:

اس آیت میں یہ بیان کیا گیا کہ مسجدوں کے آباد کرنے کے مستحق مؤمنین ہیں۔ مسجدوں کے آباد کرنے میں یہ امور بھی داخل ہیں جھاڑو دینا، صفائی کرنا، روشنی کرنا اور مسجدوں کو دنیا کی باتوں سے اور ایسی چیزوں سے محفوظ رکھنا جن کے لیے وہ نہیں بنائی گئیں۔ مسجدیں عبادت کرنے اور ذکر کرنے کے لیے بنائی گئی ہیں اور علم کا درس بھی ذکر میں داخل ہے۔ (خزائن العرفان)

مسجد شریف کی صفائی کرنا باعث اجر وثواب ہے اور صفائی کرنے والوں کا مرتبہ بڑا بلند ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک حبشی جوان مسجد کی صفائی کیا کرتا تھا۔ ایک بار حضور نبی مکرم ﷺ نے اسے موجود نہ پایا تو اس کے متعلق دریافت کیا۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کی: وہ تو فوت ہو گیا۔ ارشاد فرمایا: کیا تم مجھے اس کی خبر نہیں دے سکتے تھے؟ بقول راوی شاید لوگوں نے اس کے معاملے کو چھوٹا خیال کر کے خبر نہ دی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے اس کی قبر پر لے چلو۔ قبر پر پہنچ کر آپ نے اس کی نماز جنازہ ادا کی اور فرمایا: بے شک یہ قبریں اندھیرے سے بھری ہوئی ہیں اور اللہ تعالیٰ میرے ان پر نماز پڑھنے کی برکت سے ان کو روشن ومنور فرما دے گا۔"

(صحیح مسلم، ج۱، ص۴۷۶، الحدیث:۹۵۶)

اسی طرح مسجد کی صفائی کی فضیلت بیان کرتے ہوئے ایک موقع پر فرمایا: مسجد کی صفائی کرنا بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں کا حق مہر ہے۔ (المعجم الکبیر، الحدیث ۲۵۲۱، ج۳، ص۱۹)

ظاہر کی صفائی کے مقابلے میں باطن کی صفائی زیادہ اہم ہے۔ انسان اگر صرف اپنا ظاہر صاف ستھرا رکھے مگر باطن طرح طرح کی نجاستوں سے آلودہ ہو تو یہ ایک تشویش ناک امر ہے، کیونکہ باطن یعنی دل کی صفائی پورے جسم کو فیض یاب کرتی ہے اور اس کی درستی کی ضمانت ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إن في الجسد مضغة إذا صلحت صلح الجسد كله وإذا فسدت فسد الجسد كله ألا وهي القلب.

ترجمہ: بے شک جسم میں ایک لوتھڑا ہے اگر یہ درست ہو جائے تو پورا جسم درست ہو جائے اور اگر یہ خراب ہو جائے تو پورا جسم خراب ہو جائے۔ سُن لو وہ دِل ہے۔ (صحیح بخاری، ج۱، ص۳۳، الحدیث:۵۲)

اور دل کا درست اور سلامتی والا ہونا یہ ہے کہ وہ کفر، گناہوں کے اِرتکاب اور تمام قباحتوں (برائیوں اور خرابیوں) سے پاک ہو۔

(تفسیر بیضاوی، ج۴، ص۲۴۴)

حضور نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: "بُنِيَ الدِّيْنُ عَلَى النَّظَافَةِ. ترجمہ: دین کی بنیاد طہارت پر ہے۔"

(المجروحین لابی حاتم، ج۲، ص۱۰۱، الحدیث:۱۱۱۹)

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

'یہاں طہارت سے مراد صرف کپڑوں کا صاف ہونا ہی نہیں بلکہ دل کی صفائی بھی مراد ہے۔ اس پر یہ فرمان الٰہی دلیل وحجت ہے: اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ ترجمہ: مشرک نرے ناپاک ہیں۔

(پ۱۰، التوبہ:۲۸)

اس آیت مبارکہ سے ظاہر ہوا کہ نجاست صرف کپڑوں کے

ساتھ خاص نہیں کیونکہ جب تک باطن خبائث سے پاک نہ ہو اس وقت تک علمِ نافع حاصل نہیں ہوتا اور نہ ہی علم کے نور سے انسان روشنی پاسکتا ہے۔ (لباب الاحیاء، ص ۳۲)

رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے: "ہر چیز کے لیے کوئی نہ کوئی صفائی کرنے والی شے ہوتی ہے اور دلوں کی صفائی خدا کے ذکر سے ہوتی ہے۔" (الترغیب والترہیب، ج ۲، ص ۲۵۴، الحدیث: ۱۰)

باری تعالیٰ کو طہارت و صفائی اس قدر محبوب ہے کہ اس نے صفائی اپنانے والے کو اپنا محبوب و پیارا قرار دیا ہے۔

ارشادِ الٰہی ہے: وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ.

ترجمہ: اور ستھرے اللہ کو پیارے ہیں۔ (پ ۱۰، التوبہ: ۱۰۸)

نیز اس کا اندازہ اخروی چیزوں میں پاکیزگی وطہارت اور عمدگی ونفاست کے اہتمام سے بھی لگایا جاسکتا ہے۔ اس نے جنت بنائی تو انتہائی صاف ستھری، وہاں بسنے والوں کو پسینہ نہیں آئے گا، ان کے بدن میلے نہیں ہوں، بول وبراز کی اذیت سے محفوظ ہوں گے، جنتی حوروں کو انتہائی پاکیزہ بنایا۔

ارشاد ربانی ہے: كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَ الْمَرْجَانُ.

ترجمہ: (صفائی وخوش رنگی میں) گویا وہ یاقوت اور مونگا ہیں۔

(پ ۲۷، الرحمن: ۵۸)

حدیث شریف میں ہے کہ جنّتی حوروں کے صفائے ابدان کا یہ عالَم ہے کہ ان کی پنڈلی کا مغز اس طرح نظر آتا ہے جس طرح آبگینہ کی صراحی میں شراب سرخ۔ (خزائن العرفان)

دوسرے مقام پر فرمایا: كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُوِ الْمَكْنُوْنِ

ترجمہ: جیسے چُھپے رکھے ہوئے موتی۔ (پ ۲۷، الواقعۃ: ۲۳)

یعنی جیسا موتی صدف میں چُھپا ہوتا ہے کہ نہ تو اسے کسی کے ہاتھ نے چھوا، نہ دھوپ اور ہوا لگی اس کی صفائی اپنی نہایت پر ہے اس طرح حوریں اچھوتی ہوں گی۔ (خزائن العرفان)

اور جنت کی شراب کے ستھرا ہونے کو یوں بیان فرماتا ہے:

وَ سَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا.

ترجمہ: اور انہیں ان کے رب نے ستھری شراب پلائی۔

(پ ۲۹، الدھر: ۲۱)

جو نہایت پاک صاف، نہ اسے کسی کا ہاتھ لگا، نہ کسی نے چھوا، نہ وہ پینے کے بعد شراب دنیا کی طرح جسم کے اندر سڑ کر بول (پیشاب) بنے، بلکہ اس کی صفائی کا یہ عالم ہے کہ جسم کے اندر اتر کر پاکیزہ خوشبو بن کر جسم سے نکلتی ہے اہلِ جنّت کو کھانے کے بعد شراب پیش کی جائے گی، اس کو پینے سے ان کے پیٹ صاف ہوجائیں گے اور جو انھوں نے کھایا ہے وہ پاکیزہ خوشبو بن کر ان کے جسموں سے نکلے گا اور ان کی خواہشیں اور رغبتیں پھر تازہ ہوجائیں گی۔ (خزائن العرفان)

ہم نے مضمون کے شروع میں غیرمسلموں کی غیرفطری اور ناپسندیدہ روش کا تذکرہ کیا کہ وہ نفاست وپاکیزگی سے دور تھے اور یہ اسلام کا احسان تھا کہ انھوں نے صفائی ستھرائی کو کسی حد تک اختیار کیا مگر جب ہم آج کے دور میں خود اسلام کے پیروکاروں کو دیکھتے ہیں تو ان میں بھی ہمیں ایک تعداد ایسی ملتی ہے جو طہارت وپاکیزگی اور صفائی ستھرائی کے معاملے میں سست روی کا شکار ہے۔ کسی مسلمان نے لمبی لمبی مونچھیں رکھی ہوئی ہیں تو کسی کو اظفار طویلہ یعنی لمبے ناخنوں کا شوق ہے بالخصوص عورتوں میں یہ مرض زیادہ ہے۔ کوئی مسلمان میلے کچیلے کپڑوں میں گھن محسوس نہیں کرتا تو کوئی اپنے پسینے اور منہ کی بدبو سے آس پاس کا ماحول "مہکا" رہا ہوتا ہے۔ کوئی پان کھا کر دانتوں کی صفائی نہیں کرتا تو کسی نے سگریٹ پی پی کر سامنے کے دانت پیلے کر رکھے ہوتے ہیں۔ کوئی گٹکا کھا کر فٹ پاتھ، دکان ومکان کی دہلیز، دفاتر ومارکیٹس کے مخصوص کونے کھدرے رنگین کر رہا ہوتا تو کوئی بس وغیرہ کی کھڑکی سے پیچھے آنے والے موٹر سائیکل سوار کو اپنے پان یا گٹکے کی پچکاری سے صبر وبرداشت کا "درس" دے رہا ہوتا ہے۔ کوئی اپنی بلڈنگ سے کچرے کا تھیلا باہر گلی میں پھینک کر اپنی "شرافت ونفاست" کا مظاہرہ کر رہا ہوتا ہے تو کوئی اپنے گھر کا کوڑا کرکٹ جمع کر کے کسی چوراہے یا گلی کے نکڑ کی "زینت" بنا رہا ہوتا ہے۔ کوئی غسل جنابت میں سستی کر کے اپنے گھر کو رحمت کے فرشتوں کے لیے "نوگوایریا" بنا رہا ہے تو کوئی "اندرونی صفائی" سے غفلت برت کر فطرت سے "جنگ" کر رہا ہے۔ الغرض یہ سب ہمارے گردوپیش میں رہنے والے افراد کر رہے ہیں۔ وہ اسلام جس نے غیروں کو صفائی ستھرائی کا خوگر کیا آج اس کے بعض اپنوں میں طہارت وپاکیزگی مفقود ہے اور گندگی وناپاکی ان کی سرشت وپہچان بنی ہوئی ہے۔ بہر حال مسلمان کو اپنے ظاہر وباطن دونوں کی صفائی کا خیال رکھنا چاہیے۔ ظاہر کو نجاست، غلاظت، گندگی اور میل کچیل وغیرہ سے اور باطن کو کینۂ مسلم، غرور وتکبر اور بغض وحسد وغیرہ رذائل سے پاک وصاف رکھے۔ باطن کی صفائی کے لیے اچھی صحبت بے حد مفید ہے۔ ظاہر وباطن کو صاف رکھنا رب تعالیٰ کو محبوب، رسول کریم ﷺ کو پسند، صحت وتندرستی کی ضمانت اور فطرت کا تقاضا ہے۔

☆☆☆☆

احیاے تصوف کی دعوت: چند قابلِ غور پہلو

ذیشان احمد مصباحی

موجودہ حالات میں تصوف کی طرف واپسی نہایت ضروری ہوگئی ہے۔ مادی لادینی زندگی سے روحانی ربانی زندگی کی طرف تشدد اور انتہا پسندی سے امن و سلامتی کی طرف امت بلکہ انسانیت کو بلا تاخیر پلٹ آنا چاہیے، اسی طرح جہاز اور کمپیوٹر سے مالا مال برقی تمدن سے ایسے گوشۂ عافیت کا رخ کرنا بھی ضروری ہوگیا ہے، جہاں بھائی چارہ ہو، اخلاق ہو، جاگنے والی آنکھیں ہوں اور ٹوٹے ہوئے دل ہوں۔

تصوف کی ضرورت تو کل بھی تھی مگر ایسا لگتا ہے کہ کل کے بہ نسبت آج اس کی ضرورت بڑھ گئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تاریخی شواہد کے مطابق عہدِ رسالت اور عہد صحابہ کے بعد عام طور پر لوگوں کی نگاہیں دنیا اور اس کی رنگینیوں کی طرف اٹھ چکی تھیں۔ ایسے حالات میں چند زاہدین کھڑے ہوئے۔ یہ لوگ دنیا سے بے رغبت اور آخرت کی طرف متوجہ تھے۔ انھوں نے ذکر و فکر کے لیے اور دین کے تیسرے رکن احسان کے احیا کے لیے خانقاہیں قائم کیں۔ صالحین اور محسنین کی یہی جماعت بعد میں صوفیہ کے نام سے متعارف ہوئی۔ یہ سب کچھ تابعین یا تبع تابعین کے زمانے میں ہوا، جب نمازیں قائم تھیں، مسجدیں آباد تھیں اور دل مومن تھے۔ لوگوں میں جو کچھ تبدیلی آئی تھی وہ صرف یہ تھی کہ دنیا کی طرف ان کا میلان بڑھ گیا تھا۔ ایسے حالات میں صالحین کی ایک جماعت اٹھ کھڑی ہوئی، عیش و راحت کو تج دیا اور دل کے تزکیہ اور روحوں کی تطہیر کے لیے اپنی پوری کوشش کر ڈالی۔ ان کی کوششوں کا مرکز و محور صرف یہی تھا کہ دلوں کو حب دنیا کی آلائشوں سے پاک کردیا جائے، کیوں کہ دنیا کی محبت ہی ہر برائی کی جڑ ہے، حب الدنیا رأس کل خطیئۃ، جب کہ چار دن کی زندگی ہے پھر لوٹ کر اسی خالق و مالک کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

زین للناس حب الشھوٰت من النساء و البنین و القناطیر المقنطرة من الذھب و الفضة و الخیل المسومة و الأنعام و الحرث ذٰلك متاع الحیاة الدنیا و اللہ عندہ حسن المآب. (آل عمران:١٤)

لیکن آج سب کچھ بدل چکا ہے۔ ظاہر و باطن بدل گئے ہیں، علم و عمل رخصت ہو چکے ہیں، مسجدوں میں شور اور ہنگامے ہیں، قلوب نفرتوں سے بھرے ہوئے ہیں، عبادت خانے روشن اور دل تاریک ہیں، قبریں آراستہ ہیں مگر دل آلودہ، نہ نماز رہی نہ روزہ رہا، نہ دعا رہی نہ سلام، لوگ تکفیر میں پر جوش اور ایمان میں متساہل ہیں، عوام لادینیت کے سیلاب میں بہے جا رہے ہیں اور علما تکفیر و تضلیل کے تھپیڑوں میں ہچکولے کھا رہے ہیں، دل سخت ہو چکے ہیں، آنکھیں خشک ہو چکی ہیں اور نفوس گندے ہو چکے ہیں۔ تشدد، انتہا پسندی اور تخریب کا بازار گرام ہے۔ الحاصل صحیح معنوں میں نہ دلوں میں ایمان رہا، نہ جسموں پر اسلام رہا اور نہ روحوں میں احسان رہا، دین کے نام پر صرف چند رسمیں باقی رہ گئیں۔ ہمارے نوجوان دنیا کے بے رحم پنجوں میں گرفتار ہیں، لمحے بھر کے لیے بھی دنیا سے انھیں فرصت نہیں، ان کے پاس ذکر و عبادت کا وقت نہ رہا، یہ آج کی ایک عام شکایت ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ روح مغلوب ہو چکی ہے، چہروں کی تزئین اور جسموں کی آرائش ہی نئی نسل کے لیے سب کچھ ہے، انھوں نے اس چند روزہ زندگی کو عیش و عشرت اور آزادی کے ساتھ جینے کی ٹھان رکھی ہے۔ جمہوریت آئی اور اپنے ساتھ مکمل آزادی لے کر آئی، یہاں تک کہ دین سے آزادی، حیا، شرافت اور اخلاق سے بھی آزادی، یہ ساری باتیں ہمارے اس موقف کو مضبوط کرتی ہیں کہ آج، کل کے بہ نسبت تصوف کی زیادہ ضرورت ہے۔

ہمارے موقف کی مزید تائید موجودہ زمانے کے دو گروہوں سے بھی ہوتی ہے۔ ایک گروہ توان کا ہے جن کی پوری توجہ قبروں پر ہے۔ قبریں ان کے لیے نفع بخش دینی تجارت ہیں، ایک دوسرا گروہ بھی ہے۔ یہ انبیا، صدیقین، شہدا و صالحین سے نفرت کرنے والا گروہ ہے۔ پہلی

صورت میں صرف احوال کے دعوے ہیں۔ دوسری صورت میں لسان ذاکر اور قلب غافل ہے۔ یہاں ایک جماعت ان کی بھی ہے، جو اپنے آپ کو سلف کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اپنی چھوٹی سی ٹکڑی کے سوا باقی پوری امت کی تکفیر کرتے ہیں اور ایک جماعت ان کی ہے جو اپنے آپ کو صوفیہ صافیہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ صوفیہ کی صورت میں بھی ہوتے ہیں، مگر صوفیہ کی سیرت و معنی سے کوسوں دور ہوتے ہیں۔

تصوف کی طرف واپسی کا ایک بڑا داعیہ مسلمانوں کی صفوں میں انتشار اور دراڑوں کا پڑ جانا بھی ہے، بغض و کینہ، بدگمانی اور تفسیق و تضلیل کا بڑھ جانا بھی اس ذیل میں شامل ہے۔ یہ وہ مشکلات ہیں جو وحدتِ امت کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں اور ان کا حل صرف ایک ہے اور وہ ہے دلوں کا تزکیہ جو علم تصوف اور صحبت صوفیہ سے ہی ممکن ہے۔ امام غزالی کے لفظوں میں صوفیہ کی سیرت ہی سب سے اچھی سیرت ہے، ان کا طریقہ ہی سب سے بہتر طریقہ ہے، اور ان کا اخلاق ہی سب سے ستھرا اخلاق ہے۔

تصوف کی طرف واپسی کا ایک اہم محرک وہ خطرناک قضیہ بھی ہے، جو ہمارے زمانے میں ظاہر ہوا ہے اور وہ ہے دہشت گردی کا قضیہ۔ بیسویں صدی میں دعوت و اصلاح کے نام پر عالم اسلام میں کئی ایسی تحریکیں اٹھیں، جنھوں نے اپنے عنوان کے برخلاف تخریب وفساد کا کام کیا ،بم پھوڑنا، بلند و بالا عمارتوں کو مسمار کرنا، لوگوں کی جانیں لینا اور مال و اسباب کو تباہ کرنا ان کا وطیرہ رہا، یہ ایسا گروپ تھا جس نے اسلام کی صورت کو مسخ کر دیا اور اسے دہشت گردی اور انتہا پسندی کی صورت میں پیش کر دیا۔ ان دعوتی فسادی تحریکوں نے نوجوانوں کے دل و دماغ کو مدعو قوم کے خلاف معاندانہ افکار و رجحانات سے بھر دیا۔ انھیں ان قوموں کے خلاف بھڑکا دیا جو قومیں ہماری طرف سے خاص توجہ اور خالص محبت کی مستحق تھیں، کیونکہ امت مسلمہ کو خیر امت کے بطور اس لیے برپا کیا گیا ہے تاکہ یہ لوگوں کو بھلائی کا حکم دے اور برائی سے روکے اور یہ کام اسی وقت ممکن ہوگا جب کافۃ الناس (تمام لوگ) کے لیے ہم دردی کے جذبات پیدا ہوں گے۔ داعی کی حیثیت بکریوں کے چرواہے کی ہوتی ہے جو درندوں سے بکریوں کی حفاظت کرتا ہے۔ اگر چرواہا خود ہی بکریوں کا دشمن بن جائے تو پھر بکریوں کا اللہ ہی حافظ ہے۔ جس نے کہا سچ کہا کہ اسلام کی دعوت اخلاق کی تلوار اور احسان کے نیزے سے عام ہوئی ہے اور جب معاملہ یہ ہے تو ہمارے لیے صرف ایک ہی راستہ ہے کہ اب پھر سے ہم احیائے تصوف کی طرف متوجہ ہوں اور نوجوان دلوں میں خلق و خیر اور حب و اصلاح کی روح پھونک دیں۔

اب سب سے اہم مسئلہ اور سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ عصر حاضر میں احیاے تصوف کا طریقہ کیا ہے؟ بلکہ احیا کی ضرورت ہی کیا ہے؟ جب کہ عالم اسلام کے طول و عرض میں اور ملک کے کونے کونے میں صوفی خانقاہیں قائم ہیں، بے شمار محافل کا انعقاد ہو رہا ہے، مزامیر اور بے مزامیر محافل سماع رائج ہیں، قبریں آراستہ ہیں، حلقے لگے ہوئے ہیں، پھر یہ سب ہوتے ہوئے احیاے تصوف کا کیا مطلب ہے اور اس کے لیے تن دہی اور دماغ سوزی کی کیا حاجت اور کسی تحریک و انقلاب کا کیا مطلب؟؟؟ یہ کوشش تو لاحاصل ہے، یہ تو اندھیرے میں تیر چلانے کے ہم معنی ہے۔ ہم اس سوال کے جواب میں یہ کہیں گے کہ معاملہ ایسا نہیں ہے۔ بے شک تصوف کا لفظ موجود ہے اور یقیناً اس امت کی اکثریت اپنے آپ کو تصوف سے منسوب کرتی ہے، لیکن لفظ کبھی بھی معنی کے لیے کافی نہیں ہوتا اور انتساب اتباع کو نہیں بتاتا، احیاے تصوف کے لیے بہ تدریج ہمیں کئی ایک محاذ پر کام کرنا ہوگا، مثلاً:

(۱) تزکیۂ نفس: اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے سینے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا: التقویٰ ھٰھنا (صحیح مسلم، کتاب البر و الصلۃ)

تصوف سب سے پہلے تقویٰ کا نام ہے اور اس کا مقام دل ہے، چہرہ نہیں، اس لیے احیاے تصوف کے نام پر سب سے پہلے کرنے کا کام یہ ہے کہ تزکیۂ نفوس کے لیے ارادی کوشش کی جائے۔

(۲) حسن اخلاق: مشائخ نے کہا ہے:

التصوف خلق فمن زاد علیك فی الخلق زاد علیك فی التصوف.

تصوف مکمل اخلاق کا نام ہے، لہٰذا جو تم سے اخلاق میں بڑھا ہوا ہے وہ تصوف میں بھی بڑھا ہوا ہے۔ لہٰذا احیاے تصوف کے معنیٰ دوسرے مرحلے میں یہ ہیں کہ ہم اپنے آپ کو حسن اخلاق سے آراستہ کریں، اپنے اندر اچھی عادتیں لائیں اور قانون اور ضابطے کی جگہ اخلاق

کی بالادستی کی کوشش کریں، جب تک اخلاق کی بالادستی نہیں ہوگی، قانون اور عدالت سے امن وسلامتی کے مسئلے حل نہیں ہوں گے۔

(۳) خدمت خلق: تصوف تزکیہ و اخلاق کے بعد محبت اور انفاق پر زور دیتا ہے۔ یہ بندوں کو عیال اللہ کا درجہ دیتا ہے۔ یہ سوچ سماج میں سکون قائم کرتی ہے اور بطور خاص امت مسلمہ میں اتحاد کی راہ ہموار کرتی ہے۔ دوسری طرف اس سے نئے زمانے میں اسلامی دعوت کی راہ ہموار ہوتی ہے؛ کیوں کہ یہ زمانہ قبائلی اور قومی تعصبات سے آزاد ہو چکا ہے بلکہ بڑی حد تک دینی تعصبات سے بھی آزاد ہو چکا ہے اور یہ نتیجہ ہے نئے علم کی روشنی اور نئے سماج کی تشکیل کا، نیا سماج، کثیر لسانی، کثیر دینی اور کثیر ثقافتی سماج ہے۔ زمین کی وسعت سمٹ چکی ہے۔ ایسی صورت میں جب ہم کسی زبان، مذہب اور ثقافت سے متعلق شخص سے محبت کریں گے تو یہ محبت اسے ہمارے دین سے بھی قریب کرے گی جو دین فطرت ہے، اس طرح دوسری قوموں کے لیے اسلام کا دروازہ کھلے گا اور وہ فوج در فوج دین اللہ میں داخل ہوں گی۔ اس لیے ہم پر واجب ہے کہ اس حوالے سے احیائے تصوف کے لیے پوری کوشش کر گزریں۔

عصر حاضر کا ایک مثبت پہلو یہ ہے کہ یہ پورے طور پر تصوف موافق عہد ہے۔ چند حضرات سلفیہ کے علاوہ کوئی شخص بھی تصوف کا مخالف نہیں ہے۔ بعض متشدد سلفی، صوفیہ پر کئی طرح کے الزامات عائد کرتے ہیں۔ مثلاً ترک ظاہر اور ادعائے باطن کا الزام، اسی طرح علم حدیث میں تساہل اور انبیا و اولیا کی شان میں غلو پسندی کا الزام، مگر ہمیں زیادہ افسوس ان حضرات پر ہے جو اپنے آپ کو صوفی کہتے ہیں اور سلفیہ کے معاملے میں تحریر و تقریر میں حد سے زیادہ شدت برتتے ہیں۔ وہ طابق النعل بالنعل کے طور پر انتہا پسندی کو انتہا پسندی سے دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں، قطع نظر اس سے کہ معاصر سلفی حضرات کا رویہ ان کے بارے میں کیا ہے، ان کا یہ انداز صوفیانہ نہیں ہے۔

داعیِ اسلام حضرت شیخ ابو سعید شاہ احسان اللہ محمدی صوفی مدظلہ العالی اس سیاق میں فرماتے ہیں :

”ہم صوفیہ کے طریقے پر اسلامی انقلاب کے خواہاں ہیں۔“

کیوں کہ احیائے تصوف کا عمل صوفیہ کے طریقے پر ہی ممکن ہے۔ لہٰذا ہر وہ شخص جو خود کو جماعت صوفیہ کی طرف منسوب کرتا ہے، اس پر لازم ہے کہ سب کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرے اور اس میں دوست و دشمن کا فرق بھی نہ رکھے، کیوں کہ اخلاق کی تلوار اور محبت کے نیزے دلوں میں پیوست ہو جاتے ہیں اور بغیر کسی جنگ وجدال کے لوگوں کو اپنا قیدی بنا لیتے ہیں۔

موجودہ زمانہ میں بعض حضرات وہ بھی ہیں جو سلفیہ کو صوفی اور صوفیہ کو سلفی بنانے کے داعی ہیں۔ ڈاکٹر یوسف القرضاوی کہتے ہیں:

میں شخصی طور پر صوفیہ کو سلفی بننے اور سلفیہ کو صوفی بننے کی دعوت دیتا ہوں۔ صوفیہ موضوع حدیث اور شرکیات و قبوریات سے گریز کر کے سلفیہ کے احتیاط کو اختیار کریں اور میں سلفیوں سے امیدوار ہوں کہ وہ صوفیہ کی رقت و روحانیت اور خشوع قلب کو اختیار کریں۔

(الشرق الاوسط، ۲۲ر دسمبر ۲۰۱۰)

درست یہ ہے کہ صحیح معنوں میں سلفی وہی ہے جس کے دل میں خوف ورجا، نرمی وخشوع اور للّٰہیت ہو، جیسا کہ یہ صفات ہمارے اسلاف کے دلوں میں تھیں۔ اور ایسا شخص عین صوفی ہے۔ اسی طرح صحیح معنوں میں صوفی وہ شخص ہے جو مسلک اسلاف سے وابستہ ہو اور سلف کے طریقے پر ہو، جو کتاب و سنت سے محکم ہے، جیسا کہ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی قدس سرہٗ کا ارشاد ہے کہ ہمارا طریقہ کتاب و سنت سے محکم ہے۔ (الرسالۃ القشیریہ، جلد:۱، صفحہ:۷۹، دار المعارف، قاہرۃ)

واقع میں صوفی اور سلفی میں کوئی فرق نہیں ہے لیکن یہ اس وقت ہوگا جب یہ دونوں الفاظ اپنے اصلی معنی میں استعمال کیے گئے ہوں، لیکن صوفی کی اصطلاح اگر متصوف کے لیے ہو، اور سلفی سے مراد متشدد اور دہشت گرد ہو تو یہ معانی ہمارے موضوع سے باہر کے ہیں اور اس جادۂ مستقیم سے ہٹے ہوئے ہیں، جس کی پیروی ہم پر لازم ہے۔

اللہ اعلم، جہاں تک میں سمجھتا ہوں ممکن ہے کہ قرضاوی صاحب کی دعوت کا مطلوب یہ ہو کہ بندہ ظاہری طور پر کتاب و سنت کے اتباع اور باطنی طور پر اخلاق و زہد سے اپنے دین کو مکمل کرے۔ لہٰذا ایک مومن جو کمال کا مدعی ہے، اس پر لازم ہے کہ وہ صوفیت اختیار کرے جو کہ تقویٰ، محبت، معرفت اور اخلاق سے عبارت ہے۔ اسی طرح اس پر یہ بھی واجب ہے کہ وہ سلفیت اختیار کرے........ (باقی ص:۴۷ پر)

امامِ اعظم ابو حنیفہ کے چند اجتہادی مسائل

مفتی بدر عالم مصباحی

سراج الامہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شخصیت در حقیقت شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ارشاد کی مصداق تھی۔

«گل ست سعدی در دشمناں خار ست»

ہم ذیل میں آپ کے علمی کمالات، پھر آپ سے اپنوں کے ہی حسد اور پھر آپ کے صبر و تحمل کا کچھ حال بیان کرتے ہیں تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ آپ کے فقہی مسائل بھی ہمارے لیے قابلِ تقلید ہیں اور آپ کی زندگی اور آپ کا صبر و تحمل بھی ہمارے لیے قابلِ تقلید ہے۔

امامِ اعظم ائمہ و محدثین کی نظر میں: حضرت امام اعظم ابو حنیفہ اپنے خداداد علمی کمالات و محاسن کی بنیاد پر اپنے اقران میں نمایاں مقام پر فائز تھے، متعدد جہات سے امتیازی شان رکھتے تھے۔ آپ ایسے زمانے میں پیدا ہوئے جس کے خیر ہونے کی شہادت خیر الانبیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دی۔ آپ کو صحابۂ کرام کی ایک جماعت سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ تابعینِ عظام کے مبارک دور ہی میں اجتہاد و افتا کے منصبِ جلیل پر فائز ہوئے۔ فقہا و مجتہدین کی کثیر تعداد نے آپ سے استفادہ کیا۔ فقہ اسلامی کا مدونِ اول ہونے کا اعزاز آپ کو حاصل ہوا۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"من أراد أن يتبحر في الفقه فهو عيال أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ."

جو شخص فقہ میں کمال حاصل کرنا چاہتا ہے، وہ امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا عیال ہے۔

حضرت امام شافعی نے فرمایا: میں نے امام مالک سے پوچھا، آپ نے امام ابو حنیفہ کو دیکھا ہے؟ فرمایا: ہاں! ان کو میں نے ایسا پایا کہ اگر تم سے اس ستون کو سونے ہونے کا فرماتے تو اس کو دلیل سے ثابت کر دیتے۔

حضرت عبد اللہ بن مبارک فرماتے ہیں: ایک مرتبہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ امام مالک کے پاس تشریف لے گئے تو امام مالک نے آپ کا بہت اعزاز و اکرام فرمایا، جب آپ وہاں سے واپس ہوئے تو امام مالک نے حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا: تم لوگ جانتے ہو، یہ کون ہیں؟ حاضرین نے کہا، نہیں۔ فرمایا: یہ ابو حنیفہ ہیں، اگر وہ اس ستون کو سونے کا کہہ دیتے تو یہ ستون سونے ہی کا ثابت کر دیتے۔

حضرت سفیان ثوری سے متعلق منقول ہے کہ کسی نے ان سے کہا کہ میں آج امام ابو حنیفہ کے پاس سے آرہا ہوں۔ سفیان ثوری نے کہا: قسم ہے تم روے زمین پر سب سے زیادہ فقیہ کے پاس سے آرہے ہو۔ پھر فرمایا: جو شخص امام ابو حنیفہ کا خلاف کرے اس کو چاہیے کہ امام صاحب سے بلند مرتبہ ہو اور ایسا ہونا دشوار ہے۔

ایک مرتبہ حضرت امام اعظم اور حضرت سفیان ثوری دونوں حج کے لیے تشریف لے گئے تو منظر یہ تھا کہ حضرت سفیان ثوری امامِ اعظم کو ہمیشہ اپنے سے آگے رکھتے اور خود برابر پیچھے چلتے اور جب کوئی شخص مسئلہ پوچھتا تو سفیان ثوری جواب نہ دیتے، بلکہ امام صاحب ہی جواب دیتے۔

یحییٰ بن سعید قطان ناقدینِ احادیث میں بلند پایہ مقام رکھتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کی رائے امام ابو حنیفہ کی رائے سے بہتر نہ پائی۔

مسعر بن کدام سے لوگوں نے کہا کہ آپ دوسرے فقہا مجتہدین کی رائے کے مقابل امام ابو حنیفہ کی رائے کو کیوں ترجیح دیتے ہیں، فرمایا: میں نے بارہا ان کی رائے کو صحیح پایا۔ میں نے ان سے بڑھ کر کسی کو فقیہ نہ پایا۔

امام اعمش سے کسی مسئلہ سے متعلق سوال ہوا تو آپ نے فرمایا، اس کا جواب اچھی طرح امام ابو حنیفہ ہی دے سکتے ہیں، مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے علم میں برکت عطا فرمائی ہے۔

حافظ الاحادیث یحییٰ بن معین نے فرمایا: میرے نزدیک امام ابو

استاذ و مفتی الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

حنیفہ کی فقہ حقیقت میں فقہ ہے، وہ روایتِ حدیث میں ثقہ ہیں، ان کو کسی نے بھی ضعیف نہیں کہا۔

امامِ اعظم کی ذہانت و فراست: قاضی شریک فرماتے ہیں کہ امام اعظم ابو حنیفہ اکثر و بیش تر خاموش رہتے، غور و فکر میں ڈوبے رہتے، فقہ اسلامی میں آپ کی نظر بہت باریک تھی، فقہ کے اہم اساسی مسائل کا استخراج فرمایا، جن سے بعد کے فقہانے ہزاروں مسائل اخذ فرمائے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا امام اعظم ابو حنیفہ سے زیادہ عقل مند ان کے زمانے میں کوئی پیدا نہ ہوا۔ بکر بن جیش کہتے ہیں: امام اعظم ابو حنیفہ کی شخصیت ان کے زمانے میں ایسی تھی ایک طرف امام اعظم کی عقل دوسری طرف ان کے تمام اہلِ زمانہ کی عقل پر بھاری تھی۔ اسی طرح کی بات امام علی بن عاصم نے بھی کہی کہ اگر امام اعظم ابو حنیفہ کی عقل ترازو کے ایک پلڑے میں رکھی جائے اور دوسرے پلڑے میں پورے روے زمین والوں کی عقل تو امام اعظم ابو حنیفہ کی عقل کا پلڑا بھاری ہوگا۔

امام اعظم اور مشکل سوالوں کے جوابات: امامِ اعظم ابو حنیفہ اپنے اقران میں علم و فضل میں غایت درجہ ممتاز تھے۔ مشکل سوالات کے جوابات میں آپ کی نظیر نہ تھی —ایک موقع پر ایک شخص آپ کے پاس آیا اور ایک استفتا پیش کیا:

کیا فرماتے ہیں آپ اس شخص کے بارے میں جو نہ جنت کا امید وار ہے، نہ دوزخ سے ڈرتا ہے نہ پروردگار سے۔ اور مردار کھاتا ہے، بے رکوع و سجود نماز پڑھتا ہے، بن دیکھی بات پر گواہی دیتا ہے، سچی بات کو ناپسند کرتا ہے، فتنہ کو پسند کرتا ہے، رحمت سے بھاگتا ہے، یہود و نصاریٰ کی تصدیق کرتا ہے۔

امام اعظم نے سب سے پہلے اس سے کہا، کیا تمھیں ایسا کوئی شخص نظر آیا۔ اس نے کہا، نہیں، مگر میں ایسے شخص کو بہت برا جانتا ہوں حضرت امام اعظم نے بارگاہ میں حاضر اپنے تلامذہ سے پوچھا: تم لوگوں کا کیا خیال ہے؟ سب نے کہا ایسا شخص بہت برا ہوگا۔ حضرت امام اعظم نے تبسم فرمایا اور ایک خوب صورت اطمینان بخش جواب عنایت فرمایا: آپ نے فرمایا وہ شخص برا نہیں اس لیے کہ وہ جنت کا امیدوار نہیں بلکہ مالکِ جنت کا امیدوار ہے۔ اسی طرح وہ دوزخ سے نہیں ڈرتا بلکہ مالکِ دوزخ سے ڈرتا ہے۔ وہ مردار مچھلی کھاتا ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں، بے رکوع و سجود نمازِ جنازہ پڑھتا ہے، بن دیکھی بات پر گواہی کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے موجود ہونے کی گواہی دیتا ہے، موت برحق ہے وہ اسے ناپسند کرتا ہے اور مال و اولاد فتنہ ہیں ان کو وہ دوست رکھتا ہے۔ یہود و نصاریٰ بارش کو رحمت مانتے ہیں، وہ اس میں ان کی تصدیق کرتا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مبارک نے ایک بار حضرت امام اعظم کی بارگاہ میں ایک سوال رکھا کہ ایک شخص گوشت کی ہانڈی پکا رہا تھا، ہانڈی کھلی تھی، اس میں ایک پرندہ گر کر مر گیا تو پوری ہانڈی کے بارے میں کیا حکم ہے— حضرت امامِ اعظم نے حاضرین علما سے جواب مانگا، سب نے کہا شوربا اور پرندہ بہا دیں اور گوشت کو دھو کر مصرف میں لائیں۔ امامِ اعظم نے کہا، جواب صحیح ہے، لیکن اگر ہانڈی جوش مار رہی تھی اس وقت گر کر مرا تو شوربے کے ساتھ گوشت بھی پھینک دیا جائے گا۔ ابن مبارک نے پوچھا کیوں؟ فرمایا اس لیے کہ اس وقت پرندہ کی نجاست گوشت کے اندر تک پہنچ جائے گی۔ ابنِ مبارک اور حاضرین کو جواب بہت پسند آیا۔

حضرت امام اعظم کی بارگاہ میں ایک شخص پہنچا اور کہا، میں نے قسم کھائی ہے کہ میں اپنی بیوی سے کلام نہ کروں گا یہاں تک کہ وہ مجھ سے کلام کرے اور میری بیوی نے بھی قسم کھا رکھی ہے وہ مجھ سے بات نہ کرے گی، یہاں تک کہ میں اس سے بات کروں۔ امام صاحب نے جواب دیا کہ تم دونوں میں سے کوئی بھی حانث نہیں۔ حضرت سفیان ثوری نے جب یہ جواب دیا تو ناراضگی کا اظہار فرمایا اور امام اعظم کے پاس پہنچے اور کہا آپ نے یہ جواب کیسے دے دیا، حضرت امام اعظم نے فرمایا کہ مرد کے قسم کھانے کے بعد جب عورت نے مرد سے مخاطب ہو کر کہا کہ میں تم سے بات نہ کروں گی جب تک مجھ سے بات نہ کرو تو مرد کی قسم تمام ہو گئی اور مرد اس سے بات کرے گا تو حانث نہ ہوگا اور مرد جب اس سے بات کر لے گا تو عورت کی قسم تمام ہو جائے گی، پھر عورت بھی حانث نہ ہوگی۔ حضرت ابو سفیان کو جواب بہت پسند آیا اور فرمایا آپ کے لیے ایسے علوم کھولے جاتے ہیں، جن سے ہم لوگ غافل ہیں۔

حضرت امام اعظم کے پڑوسی کا مور چوری ہو گیا۔ مور کے مالک نے حضرت امام اعظم کی بارگاہ میں عریضہ پیش کیا۔ آپ نے اس سے فرمایا تو خاموش رہ اور مسجد میں چل۔ جب سب لوگ مسجد میں حاضر آ گئے تو آپ نے فرمایا کہ وہ شخص کتنا بے شرم ہے جو اپنے پڑوسی کا مور چراتا ہے، پھر مسجد میں آکر نماز پڑھتا ہے، حالاں کہ اس کے پر کا اثر اس کے سر پر ہوتا ہے، بس فوراً ایک شخص نے اپنا سر ٹٹولا۔ امامِ اعظم نے فرمایا: اے شخص! تو ہی چور ہے، اس کا مور واپس کر دے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں اس طرح کی بے شمار خصوصیات تھیں جو بلا شبہہ باری تعالیٰ کی خاص عطیات تھیں۔ حضرت امام اعظم کے امتیازی محاسن وکمالات نے ان کو اپنے اقران بلکہ اکابر میں حد درجہ محسود بنا رکھا تھا اور حسد کی آگ انسان کو حد درجہ جری اور بے باک بنا دیتی ہے۔ حضرت امام اعظم کے حاسدین اس حد تک پہنچ گئے کہ آپ کی شکایت لے کر نواسۂ رسول حضرت امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں پہنچ گئے اور وہ کہہ ڈالا جس کا تعلق حقیقت سے دور دور تک نہیں۔ یہ سچ ہے کہ حسد انسان کو حقائق سے صَرفِ نظر کا خوگر بنا دیتا ہے۔

حاسدینِ امامِ اعظم نے حضرت امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہہ ڈالا کہ ابو حنیفہ آیاتِ قرآنیہ و احادیثِ رسول کو چھوڑ کر اپنی رائے و قیاس سے مسائل اسلامیہ حل کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس پر ایک نیک دل مسلمان وہ بھی نواسۂ رسول کو غصہ آنا فطری امر تھا۔

ایک مرتبہ حضرت امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت امام اعظم کی ملاقات مدینہ منورہ میں ہو گئی۔ حضرت امام باقر کو شکایات مل چکی تھیں۔ حضرت امام اعظم سے مخاطب ہو کر فرمایا، آپ ہی وہ ابو حنیفہ ہیں جس نے میرے نانا جان کے دین میں آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ کو پس پشت ڈال کر اپنی رائے و قیاس سے مسائل اخذ کیے ہیں۔ حضرت امام اعظم نے نہایت ہی صبر و تحمل کے ساتھ ادب و احترام کے دائرے میں رہ کر عرض کرنا شروع کیا:

حضورِ والا آپ کیا فرماتے ہیں، عورت صنف نازک ہے یا مرد۔ حضرت امام باقر نے فرمایا عورت۔ پھر حضرت امام اعظم نے فرمایا کہ ترکہ میں عورت کا حصہ کتنا ہے اور مرد کا کتنا؟ حضرت امام باقر نے فرمایا مرد کے دو حصے اور عورت کا ایک حصہ تو حضرت امام اعظم نے کہا اگر میں اپنی رائے و قیاس سے کام لیتا تو مرد کے لیے ایک حصہ کی بات کرتا اور عورت کے صنفِ نازک ہونے کی وجہ سے دو حصوں کی بات کرتا۔

پھر حضرت امام اعظم نے عرض کیا کہ حضور ارشاد فرمائیں کہ نماز افضل ہے یا روزہ۔ حضرت امام باقر نے فرمایا کہ نماز افضل ہے۔ اس پر امام صاحب نے فرمایا اگر میں قیاس سے کام لیتا تو ایام حیض میں عورتوں کے لیے نمازوں کی قضا کا حکم دیتا، نہ کہ روزوں کی قضا کا۔ اس لیے کہ نماز روزے سے افضل ہے حالاں کہ میں بھی روزوں کی ہی قضا کا حکم دیتا ہوں۔

حضرت امام اعظم نے عرض کی منی کی نجاست زیادہ ہے یا پیشاب کی؟ حضرت امام باقر نے فرمایا: پیشاب کی نجاست زیادہ ہے۔ اس پر امام صاحب نے کہا حضور اگر میں قیاس سے کام لیتا تو منی کے بجائے پیشاب کے خروج پر غسل کا حکم دیتا اور منی کے خروج سے صرف وضو کا حکم دیتا، مگر میں نے اس کے خلاف حکم دیا ہے۔

اس طرح بہت سے مسائل ہیں کہ اگر حضرت امام اعظم اپنی رائے و قیاس سے حکم فرماتے تو حکم برعکس ہوتا، لیکن حضرت امام اعظم کا مذہب تو یہ تھا کہ ضعیف حدیث بھی قیاس سے برتر ہے۔ استنباطِ مسائل میں آپ کا طریقہ یہ تھا کہ سب سے پہلے قرآن کی آیات میں غور فرماتے، پھر سننِ رسول علیہ السلام پر توجہ مرکوز فرماتے، پھر اقوال صحابہ پر، اس کے بعد اپنی ایسی رائے کو ملحوظ رکھتے جو انھیں تینوں میں سے کسی سے ماخوذ ہو۔

کتاب و سنت سے استدلال و تمسک کے اس قدر اہتمام کے باوجود حاسدینِ زمانہ نے انھیں نہ بخشا اور انھیں طرح طرح سے طعن و تنقید کا نشانہ بناتے رہے۔ غلامانِ امامِ اعظم کو بھی امام اعظم کا صدقہ ملتا رہتا ہے اور کیوں نہ ملے کہ حاسدین سے بھی دنیا کبھی خالی نہ رہی۔ آج آپ کے پیرو کار کچھ ایسے ہی حالات سے دو چار ہیں۔

ایک موقع پر حضرت امامِ اعظم کی بارگاہ میں حضرت وکیع حاضر ہوئے تو دیکھا کہ حضرت والا متفکر سر جھکائے بیٹھے ہیں کچھ دیر کے بعد متوجہ ہوئے تو فرمایا کہ وکیع آپ کہاں سے تشریف لا رہے ہیں؟ وکیع بولے امام قاضی شریک کے یہاں سے۔ پھر آپ نے یہ اشعار پڑھے ؎

ان یحسدونی فانی غیر لائمھم
قبل من الناس من أهل الفضل قد حسدوا
فدام لی ولھم مابی ومابھم
ومات اکثرنا غیظا بما یجد

ترجمہ: مجھ سے لوگ حسد کریں، میں تو انھیں ملامت نہیں کرتا، مجھ سے پہلے بھی اہلِ فضل وکمال سے حسد کیا گیا ہے۔

میرے لیے ہمیشہ یہی رہا کہ ملامت نہ کروں اور ان کے لیے یہ رہا کہ وہ حسد کریں اور ہم میں سے، بہت سے لوگ مارے غصہ کے مر گئے۔

اہلِ علم کو اپنے امام سراج الامہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی کو سامنے رکھ کر تحقیقِ حق کا سلسلہ برابر قائم رکھنا چاہیے، نہ کہ حاسدین کی ایذا رسانیوں سے تنگ آکر اپنی دینی وفقہی تحقیقات سے الگ ہونا چاہیے۔

حضور حافظِ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ ارشاد ہم سب کے لیے درسِ عبرت ہے کہ:

«میرے نزدیک ہر مخالفت کا جواب کام ہے، جب مخالفت زیادہ ہوتی ہے تو میں کام کی مشین تیز کر دیتا ہوں۔» ★★★★

آخری قسط

حضرت علامہ مفتی محمد ارشاد حسین فاروقی مجددی رام پوری
حیات و خدمات

مولانا نفیس احمد مصباحی

نواب کلب علی خاں کے وارث نواب مشتاق علی خاں کے زمانۂ ریاست میں مفتی صاحب کے کچھ مخالفین و حاسدین کی شرارت و شکایت سے خانقاہ کا وظیفہ بند ہو گیا۔ ساتھ ہی جنرل اعظم الدین کے قتل کے معاملے میں کچھ نام نہاد مسلمانوں نے مفتی صاحب کو بھی متہم کیا، مگر آخر میں حقیقت واضح ہوئی، نواب صاحب کی غلط فہمی دور ہوئی، جس کے نتیجے میں تنخواہ میں اضافہ ہوا اور دشمن شرمندہ ہوئے۔ (۱)

جرأتِ اظہارِ حق: شیخ الاساتذہ حضرت مفتی ارشاد حسین علیہ الرحمہ مجددی اور فاروقی تھے، آپ کی رگوں میں حضرت امام ربانی مجددِ الف ثانی اور فاروق اعظم سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خون دوڑ رہا تھا، حق گوئی اور بے باکی میں اپنے آبا و اجداد کے وارث و جانشین تھے، وہ باطل کے آگے کبھی سرنگوں نہ ہوتے اور حق کا اظہار کرنے میں کبھی نہ دبتے، نہ جھجکتے۔

آپ کا تعلق اس زمانے سے ہے جب حکامِ وقت اور سربراہانِ حکومت کے سامنے سچی بات کہنا اور حق کا اظہار کرنا بسا اوقات اپنی تباہی اور بربادی کو دعوت دینے کے مترادف ہوتا تھا مگر آپ حالات سے بے پروا ہو کر والیِ رام پور نواب کلب علی خاں کے سامنے شرعی احکام پیش کرتے تھے، کبھی دونوں کے درمیان بحث و مباحثہ بھی ہو جاتا۔ آپ کے ہم عصر اور ہم وطن مورخ مولانا نجم الغنی خاں رام پوری آپ کے جذبۂ اظہارِ حق کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"نواب سید کلبِ علی خاں کو مسائلِ شرعیہ میں ان سے بہت دست گیری تھی، مولوی صاحب جس آزادی اور دلیری سے مسائلِ فقہیہ میں نواب صاحب کے ساتھ رد و قدح کرتے تھے، شخصی حکومتوں میں اس کی بہت کم مثالیں مل سکتی ہیں، نواب صاحب اپنے اجلاس سے اکثر مقدمات کی بھی رائے لکھتے تھے اور فیصلہ تجویز کرنے کے لیے مولوی صاحب کے پاس بھجوا دیا کرتے تھے۔" (۲)

آپ کی حق گوئی اور بے باکی کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے جو مولانا حامد علی خاں نے اپنی کتاب "معارفِ عنایتیہ" میں درج کیا ہے:

واقعہ یہ ہے کہ نواب احمد علی خاں کے داماد صاحب زادہ مہدی علی خاں شیعہ مذہب کے پیرو کار تھے، ایک دن فساد انگیزی کی نیت سے انھوں نے شیعہ سنی نکاح کے متعلق آپ سے فتویٰ طلب کیا، مفتی صاحب نے اپنے ایک شاگرد سے جواب لکھوا دیا کہ "(ایسا نکاح) حنفیہ کے نزدیک درست نہیں۔"

اس فتوے کی زد میں نواب کلب علی خاں بھی آتے تھے، اس لیے اس فتوے کو نواب صاحب کے سامنے پیش کیا گیا، نواب صاحب بغیر کچھ سوچے سمجھے رنجیدہ ہوئے، مگر بردباری اور ہوشیاری سے کام لیا اور یہ کہہ کر ٹال دیا کہ یہ جواب مولانا کے قلم کا نہیں ہے۔

اس کے بعد ایک دن نواب کلب علی خاں نے مہدی علی خاں کے سامنے اس مسئلے کا ذکر کر کے حضرت مفتی صاحب سے عرض کرتے ہوئے کہا: "ایسے مسائل کے جواب میں تامل سے کام لینا چاہیے۔" یہ سننے کے بعد مفتی صاحب نے فرمایا: "جو کچھ لکھا گیا ہے وہ حق ہے اور اس کا چھپانا شرعاً ممنوع ہے، امورِ شرعیہ میں کسی کی رعایت جائز نہیں۔" اتنا فرمایا اور فوراً اٹھ کر چل دیے اور گھر آتے ہی شاہ جہاں پور کے ارادے سے بریلی شریف کی طرف روانہ ہو گئے، اور اپنے بڑے بھائی مولانا امداد حسین مجددی سے فرمایا کہ متعلقین اور لواحقین کو اپنے ساتھ لے کر شاہ جہاں پور آئیں۔

جب یہ خبر نواب کلب علی خاں والیِ رام پور کو پہنچی تو پریشان ہو گئے اور اراکین ریاست کو حکم دیا کہ جلد سے جلد راستے میں آپ کی خدمت میں پہنچ کر اپنی پگڑیاں ان کے قدموں پر رکھ کر میری جانب سے عرض کریں کہ۔

"میں اپنی تقصیر و بے ادبی کی معافی کا طالب ہوں اور اپنی خطا پر شرم سار۔ آئندہ احکامِ شرعیہ میں کبھی بے جا مداخلت نہیں کروں گا۔"

بہر حال موضع دھمورہ کے قریب اراکینِ ریاست رام پور کی آپ سے ملاقات ہوئی، اور واپسی کی ساری شرطیں طے ہوئیں، پھر آپ فاتحانہ

(۱) تذکرہ کاملان رام پور، ص:۳۱، ۳۲

(۲) اخبار الصنادید، ج:۲، ص:۱۴۵

استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

رام پور واپس تشریف لے آئے، ابھی آپ اپنے تسبیح خانے پہنچے ہی تھے کہ نواب کلب علی خاں خود بھی خدمت میں حاضر ہو گئے اور از سرِ نو عہد و پیمان مضبوط ہو گیا، اس کے بعد کبھی اس کے خلاف کوئی بات نہیں۔

اس واقعے کے بعد آپ اس عالمانہ شان کے ساتھ رام پور میں رہے کہ نواب کلب علی خاں کی بیماری کے زمانے میں اپیل خاص کے مقدمات کا فیصلہ فرماتے تھے اور رعایا کے فائدے کے پیشِ نظر سرکاری نقصان بھی ہوتا تھا، مگر کوئی حرفِ شکایت نواب صاحب کی زبان پر نہیں آیا۔(۳)

قبولِ حق کا جذبۂ بے کراں: اس شہرت و عظمت، اثر و رسوخ، جاہ و جلال اور علمی کمال کے باوجود آپ کے دل میں حق بات ماننے اور قبول کرنے کا وہ جذبۂ بے کراں موجود تھا جو علمائے حق کا امتیازی وصف ہے کہ اپنے فیصلے یا فتوے کے خلاف اگر کسی عالم کا فیصلہ یا کسی مفتی کا فتویٰ سامنے آیا جو حق سے زیادہ قریب تھا تو اپنی علمی جلالت اور حیثیتِ عرفی کا خیال کیے بغیر بے جھجک اسے مان لیا اور اپنے فیصلے سے رجوع کر لیا۔

اس کی دلیل یہ واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے ایک سوال کے جواب میں ایک فتویٰ صادر فرمایا جس کی تصدیق کرتے ہوئے اس وقت کے تقریبًا تمام مشہور علما و مفتیانِ کرام نے دست خط کیے، پھر وہ فتویٰ حضرت مولانا مفتی نقی علی خاں بریلوی قدس سرہ کے پاس آیا۔ آگے کا بیان "حیاتِ اعلیٰ حضرت" میں کچھ اس طرح ہے۔

ایک شخص رام پور سے حضرت اقدس امام المحققین مولانا نقی علی خاں صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہرت سن کر بریلی شریف تشریف لائے، اور حضرت مولانا (مفتی) ارشاد حسین مجددی (علیہ الرحمۃ والرضوان) کا فتویٰ جس پر اکثر علما کی مہریں اور دست خط ثبت تھے، پیشِ خدمت کیا، حضرت نے فرمایا: کمرہ میں مولوی صاحب ہیں، ان کو دے دیجیے، جواب لکھ دیں گے۔ انھوں نے کہا: حضور! میں تو جناب کا شہرہ سن کر آیا تھا۔ حضرت نے فرمایا: آج کل وہی فتوے لکھا کرتے ہیں، انھیں کو دے دیجیے۔

اعلیٰ حضرت نے جب اس فتوے کو دیکھا تو کچھ ٹھیک نہ تھا، لہٰذا اس جواب کے خلاف جواب تحریر فرمایا، اور اپنے والد ماجد کی خدمت میں پیش فرمایا، حضرت نے اس کی تصدیق و تصویب فرمائی۔ پھر وہ صاحب وہ فتویٰ دوسرے علما کے پاس لے گئے، ان لوگوں نے حضرت مولانا (مفتی) ارشاد حسین کی شہرت دیکھ کر انھیں کے فتوے کی تصدیق کی۔

جب وہ فتویٰ والیِ رام پور نواب کلب علی خاں کی خدمت میں پہنچا، انھوں نے شروع سے آخر تک اس فتوے کو پڑھا اور تمام لوگوں کی تصدیقات دیکھیں، تو دیکھا کہ سب علما کی ایک رائے ہے، صرف بریلی کے دو عالموں نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ نواب صاحب نے حضرت مولانا (مفتی) ارشاد حسین صاحب کو یاد فرمایا۔ حضرت تشریف لائے۔ نواب صاحب نے وہ فتویٰ ان کی خدمت میں پیش فرمایا۔ حضرت مولانا کی دیانت داری اور انصاف پسندی دیکھیے کہ صاف فرمایا: حقیقت میں وہی حکم صحیح ہے جو ان دونوں صاحبان نے لکھا ہے۔ نواب صاحب نے پوچھا: پھر اتنے علما نے آپ کے فتوے کی تصدیق کس طرح کی؟ فرمایا: ان لوگوں نے میری شہرت کی وجہ سے مجھ پر اعتماد کیا، اور میرے فتوے کی تصدیق کی، ورنہ حق وہی ہے جو انھوں نے لکھا ہے۔(۴)

سبحان اللہ! حق پرستی، حق کوشی اور حق نمائی اسی کو کہتے ہیں کہ جب اپنے فتوے کے خلاف نسبتًا غیر معروف اور کم عمر عالم و مفتی کا فتویٰ حق پایا تو برملا اس کے صحیح ہونے کا اعتراف کر لیا، اور ان کی عرفی حیثیت، ان کا جاہ و جلال اور فضل و کمال قبولِ حق کی راہ میں آڑے نہ آیا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ ایسی حالت میں حق بات قبول کرنے کے لیے سوا من کا کلیجہ چاہیے، اور اتنا بڑا کلیجہ اسی کا ہوا کرتا ہے جس کے اندر اخلاص، للّٰہیت، دین داری، تقویٰ شعاری، خوفِ خدا اور خشیتِ ربانی کے اوصاف ہوتے ہیں، ورنہ اچھے اچھوں کو ایسے وقت میں اپنی حیثیتِ عرفی کے دلدل میں سماتے دیکھا گیا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ اسی طرح کے علمائے ربانیین اور بزرگانِ دین سے دینِ حق کا بھرم قائم ہے۔

امانت و دیانت اور فیض رسانی: حضرت مفتی ارشاد حسین علیہ الرحمۃ والرضوان بہت رحم دل اور فیض رساں واقع ہوئے تھے، وہ حاجت مندوں کی حاجت روائی کے لیے ہر ممکن کوشش کیا کرتے تھے، ان کے پیشِ نظر رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد تھا: "خیر الناس من ینفع الناس"(۵) [لوگوں میں سب سے بہتر شخص وہ ہے جو دوسروں کو فائدہ پہنچائے] آپ کی امانت و دیانت کے ساتھ آپ کی فیض رسانی کا تذکرہ کرتے ہوئے حافظ احمد علی خاں شوقی رام پوری (متوفیٰ ۱۹۳۳ء) "تذکرہ کاملانِ رام پور" میں لکھتے ہیں:

آپ کے پاس اکثر لوگ امانتیں رکھ دیتے تھے، آپ ان سے

(۳) معارفِ عنایتیہ، ص:۱۲۱، ۱۲۲، بحوالہ: مولانا ارشاد حسین مجددی رام پوری، ص:۱۹، ۲۰

(۴) حیاتِ اعلیٰ حضرت (قدیم نسخہ)، ج:۱، ص:۱۳۴

(۵) کنز العمال، ج:۱۶، ص:۱۲۸، حدیث:۴۴۱۵۴، باب خطب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و مواعظہ۔

شرط فرما لیتے تھے کہ اگر مجھے یا کسی اور کو ضرورت ہوئی تو بشرط ادا صرف کر دوں گا، یا اسے دے دوں گا، کوئی عذر نہ کرنا۔ ان امانت کی رقموں سے سیکڑوں لوگوں کو مدد پہنچتی تھی، اور (اس طرح آپ انھیں) سود کی آفت سے بچا لیتے تھے، بعض امانتیں ضائع بھی ہوئیں تو خوش دلی کے ساتھ آپ نے انھیں اپنے پاس سے ادا کر دیا۔ (۶)

انھیں رندوں سے قائم ہے نظامِ مے کدہ ساقی
کہ جن سے دوسروں کی بے بسی دیکھی نہیں جاتی

مدرسے کا قیام: حضرت علامہ مفتی ارشاد حسین مجددی علیہ الرحمۃ نے ۱۲۸۴ھ/۱۸۶۷ء کو محلہ کھاری کنواں میں اپنے مکان پر ایک دینی مدرسہ قائم فرمایا تھا، جسے مدرسہ ارشاد العلوم، بیت الارشاد اور دارالارشاد کہا جاتا تھا، اس میں آپ خود درس دیتے تھے، اور مقامی طلبہ کے علاوہ دور دراز مقامات سے آئے ہوئے سیکڑوں طلبہ اس سے اپنی علمی تشنگی بجھاتے تھے۔ (۷)

فتویٰ نویسی: علامہ مفتی ارشاد حسین مجددی قدس سرہ ماہرِ فن مفتی تھے، علمی حلقوں میں آپ کے فتاویٰ قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، عوام و خواص میں یکساں طور پر آپ کے فتوے مقبول تھے، اس کی دلیل حیاتِ اعلیٰ حضرت کے حوالے سے ذکر شدہ وہ واقعہ ہے جس میں آپ کے فتوے پر آنکھ بند کر کے اکثر علمائے کرام و مفتیانِ عظام نے "الجواب صحیح" لکھ کر اپنے دست خط کر دیے تھے۔

آپ ہفتے میں صرف دو دن منگل اور جمعرات کو فتوے لکھتے تھے، دور دراز مقامات سے سوالات آتے تھے اور ان کے جوابات دیتے تھے، آپ نے اپنی زندگی میں کثیر فتاویٰ تحریر فرمائے، کثرتِ مصروفیات کی وجہ سے انھیں باضابطہ رجسٹر میں نقل کرنے کی فرصت نہ تھی، اس لیے آپ کے بیش تر فتاویٰ محفوظ نہ رہ سکے۔ صرف کبھی کبھی بعض احباب اور اہلِ تعلق نے نقل کرنے کا کام کیا، تقریباً ڈھائی سو فتاویٰ دست یاب ہوئے جنھیں آپ کے شاگرد اور خلیفہ مولانا مفتی عبدالغفار خاں نقش بندی رام پوری نے دو جلدوں میں ۱۹۲۸ء میں طبع کرایا۔ (۸)

آپ پوری جرأت ایمانی کے ساتھ فتوے لکھتے تھے، احکامِ شریعت بیان کرنے میں کسی کی رعایت نہیں کرتے تھے، اسی وجہ سے ابتدا میں کچھ جاہل اور نادان افغانوں نے سرکشی بھی کی، لیکن آپ ان کی پروا کیے بغیر اپنا کام کرتے رہے۔ آخر کار سب راہِ راست پر آ گئے اور آپ کے فرماں بردار ہو گئے۔ (۹)

فتویٰ نویسی کے باب میں آپ کی ایمانی جرأت اور فاروقی جسارت پر آپ کا وہ واقعہ شاہد ہے جو والیِ رام پور نواب کلب علی خاں کے سامنے اظہارِ حق کرنے سے تعلق رکھتا ہے۔

معمولات: اوراد و وظائف، حلقۂ ذکر اور مراقبہ وغیرہ سے آپ کا کوئی وقت خالی نہ تھا، سلسلۂ درس علاحدہ جاری رہتا تھا۔ (۱۰)

آپ دو وقت طلبہ کو پڑھاتے تھے، صبح میں طلوعِ آفتاب کے بعد اوراد و وظائف، دعاے حزب البحر، نمازِ اشراق، نمازِ استخارہ اور ختم حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ سے فارغ ہو کر درس و تدریس کا سلسلہ شروع ہو جاتا جو دوپہر تک چلتا۔

سہ پہر کو نمازِ عصر سے فارغ ہو کر مغرب تک کتبِ تصوف مثلاً مثنوی مولانا روم، مکتوبات امام ربانی، عوارف المعارف، احیاء العلوم اور قصیدۂ فارضیہ کا درس دیتے تھے۔ منگل اور جمعرات کا دن فتویٰ لکھنے کے لیے مقرر تھا، اس لیے ان دنوں میں درس کا کام نہیں ہوتا تھا۔ (۱۱)

اس کے علاوہ ہر جمعہ کو بعد نمازِ جمعہ اپنی مسجد میں قرآن کریم کے ایک رکوع کی تفسیر اسرار و نکات کے ساتھ بیان فرماتے تھے، ہر شخص اپنی صلاحیت اور اپنے ظرف کے مطابق مستفیض ہوتا، کچھ سامعین کی تو یہ کیفیت ہوتی کہ وہ اپنا سر در و دیوار سے ٹکراتے تھے، عصر کے قریب تک یہ مجلسِ تفسیر قائم رہتی۔ مسلسل تیس سال تک یہ سلسلۂ خیر و برکت جاری رہا اور اس دوران دو مرتبہ پورے قرآن کی تفسیر مکمل ہوئی۔ (۱۲)

اسی طرح آپ کی مجلسِ وعظ بھی بہت بافیض اور بابرکت ہوتی تھی، آپ بڑی وضاحت، صفائی اور روانی کے ساتھ شریعت و طریقت کے اسرار و رموز اس طرح بیان فرماتے کہ سامعین پر سکتے کا عالم طاری ہو جاتا اور کبھی کبھی اس میں خوب ذوق و شوق اور گریہ و بُکا ہوتا۔ (۱۳)

فنِ سپہ گری میں مہارت: آپ کو علومِ نقلیہ و عقلیہ میں مہارت

---

(۶) تذکرہ کاملان رام پور، ص:۳۲

(۷) ہفتہ وار دبدبۂ سکندری، مورخہ ۱۲/ اگست ۱۹۴۰ء، ص:۳

(۸) مسلک ارشاد، ص:۲۳-و-ص:۹۰،۹۱

(۹) مصدرِ سابق، ص:۳۱

(۱۰) تذکرہ کاملان رام پور، ص:۱۱۶

(۱۱) تذکرِ معارف عنایتیہ، ص:۱۲۱، ۱۲۲، بحوالہ: مسلک ارشاد، ص:۲۲، ۲۳

(۱۲) مصدرِ سابق، ص:۱۲۲

(۱۳) تذکرہ کاملان رام پور، ص:۳۱

کے ساتھ فنِ سپہ گری میں بھی کمال حاصل تھا۔ ایک مرتبہ ایک سپاہی نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ "حضرت! میں نے سنا ہے کہ آپ کو شمشیر زنی کی خوب مشق ہے، میں بھی دیکھنا چاہتا ہوں۔" آپ نے ارشاد فرمایا: کل آنا۔ دوسرے دن وہ سپاہی حاضر ہوا، آپ نے بھینس کے پیر کی چاروں نلیاں منگائیں اور انھیں ایک ساتھ باندھ کر اس سپاہی سے کہا: پہلے تم اس پر تلوار مارو۔ اس نے تلوار ماری تو ایک نلی بھی نہ کٹی، پھر آپ نے اس پر تلوار کی ایک ضرب لگائی تو تین نلیاں کٹ گئیں، پھر ارشاد فرمایا:

"بہت دنوں بعد آج اتفاق ہوا ہے ورنہ چاروں نلیاں کٹ جاتیں۔"(۱۴)

اہلِ تعلق کی خبر گیری: آپ اپنے احباب اور اہلِ تعلق کا بہت خیال رکھتے تھے، بیماری میں ان کی عیادت کرتے، کسی کے مرنے کی خبر پاتے تو تعزیت اور ماتم پُرسی کے لیے حاضر ہوتے، ان کی ہر شادی اور غمی میں شریک حال رہتے، اپنے ہم مشرب مجددیوں کے معاملات میں ہمیشہ خیر کے لیے کوشاں رہتے، اسی لیے شہر اور اہلِ شہر پر آپ کا بڑا گہرا اثر تھا۔(۱۵)

حق کی حمایت اور باطل کا رد: آپ بہت متصلب سنی اور پختہ حنفی تھے، مسلکِ حق اہلِ سنت و جماعت کی نصرت و حمایت اور باطل فرقوں کا رد آپ کے امتیازی اوصاف تھے، فتنۂ غیر مقلدیت کے چہرے سے نقاب ہٹانے اور عمل بالحدیث کے پردے میں اس کے اسلاف بے زاری سے امتِ مسلمہ کو روشناس کرانے کے تعلق سے آپ کے کارنامے آب زر سے لکھے جانے کے لائق ہیں۔ اس پر آپ کی زیرِ نظر کتاب "انتصار الحق" گواہ ہے جو غیر مقلدوں کے امام میاں نذیر حسین دہلوی کی کتاب "معیار الحق" کا شان دار عالمانہ و محققانہ جواب ہے۔ اسی طرح حجۃ العصر مولانا شاہ محمد وصی احمد محدث سورتی علیہ الرحمۃ والرضوان کے رسالہ "جامع الشواهد في إخراج الوهابيين عن المساجد" پر بھی آپ کی تصدیق اور تقریظ ہے۔(۱۶)

اسی طرح جب آپ کی حیات طیبہ کے آخری دور میں وہابیت کی نئی شاخ دیوبندیت سامنے آئی جس کی قیادت و سربراہی دیوبند، گنگوہ، تھانہ بھون اور سہارن پور کے حنفی وہابی علما کر رہے تھے تو اس وقت بھی آپ نے علمائے اہل سنت کی بھرپور تائید اور دیوبندی افکار و نظریات کی کھلم کھلا تردید فرمائی، اسی لیے جب حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے مرید و خلیفہ عالم ربانی علامہ محمد عبد السمیع انصاری (ساکن رام پور منہاران، ضلع سہارن پور، متوفی ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء) نے مولانا رشید احمد گنگوہی و خلیل احمد انبیٹھوی کی کتاب براہین قاطعہ کا عالمانہ اور محققانہ جواب "انوار ساطعہ" کے نام سے لکھا تو مفتی محمد ارشاد حسین رام پوری نے اس پر عربی زبان میں شان دار اور وقیع تقریظ لکھ کر مسلک اہل سنت و جماعت کی تائید و نصرت، اور دیوبندیوں کی کج فکری اور ضلالت کی کھلے لفظوں تردید فرمائی۔(۱۷)

اسی طرح اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی قدس سرّہ رسالے: أقامته القيامة على طاعن القيامة لنبي تهامة، ايذان الأجر، منير العين في حكم تقبيل الإبهامين، اور مولانا سکندر علی واصل خالص پوری علیہ الرحمۃ والرضوان کے رسالہ "تحفۃ العلما" پر بھی تقریظیں لکھیں۔(۱۸)

اسی لیے آپ کا نام وہابیت کی دونوں شاخوں: غیر مقلدّیت اور دیوبندیت کے خلاف آوازِ حق بلند کرنے والے علمائے ربانیین کے صف اول میں شامل ہے، اور آپ کی ذات برصغیر میں ان علمائے اہل سنت کے زمرے میں شمار کی جاتی ہے جن کے افکار و عقائد اور جس کا مسلک بعد والوں کے لیے سنّیت کا معیار ہے چنانچہ بیسویں صدی کے علما و مشائخ اہل سنت نے "سُنّی" کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

"سُنّی وہ ہے جو "ماأنا عليه و أصحابي" کا مصداق ہو۔ یہ وہ لوگ ہیں جو خلفائے راشدین، ائمۂ دین، مسلم مشائخ طریقت اور متاخر علمائے کرام میں سے حضرت شیخ عبد الحق محدّث دہلوی، و ملک علما سند الفضلا بحر العلوم مولانا عبد العلی فرنگی محلی، و حضرت مولانا فضل حق خیر آبادی، و حضرت مولانا مفتی شاہ فضل رسول بدایونی، و حضرت مفتی ارشاد حسین مجدّدی رام پوری، اور حضرت مولانا مفتی شاہ احمد رضا بریلوی کے مسلک پر ہوں"۔(۱۹)

غزالی دوراں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنی کتاب "الحق المبین" میں فتنۂ وہابیت کے خلاف آواز حق بلند کرنے والے علمائے ربانی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(۱۴) مشائخ نقش بندیہ مجددیہ، ص: ۳۴۸

(۱۵) تذکرہ کاملان رام پور، ص: ۳۱

(۱۶) دیکھیے جامع الشواہد، ص: ۶۹

(۱۷) انوار ساطعہ در بیان مولود و فاتحہ، ص: ۳۹۲، ۳۹۳

(۱۸) دیکھیے اقامۃ القیامۃ

(۱۹) الفقیہ، امرتسر، پنجاب، مورخہ ۲۱/ اگست، ۱۹۶۵ء، ص: ۹، بحوالہ: سواد اعظم، ص: ۱۱

"علماے اہل سنت برابر اس فتنے کے خلاف نبرد آزما رہے، ان علماے حق میں مذکورینِ صدر حضرات کے علاوہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، حضرت مولانا محمد عبد السمیع صاحب رام پوری مؤلفِ انوار ساطعہ، حضرت مولانا ارشاد حسین رام پوری صاحب، حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی صاحب، حضرت مولانا انوار اللہ حیدر آبادی صاحب، حضرت مولانا عبد القدیر بدایونی وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔" (۲۰)

تلامذہ: حضرت مفتی ارشاد حسین مجدّدی علیہ الرحمۃ نے اپنی زندگی کا بڑا حصّہ خدمتِ دین اور علوم دینیہ کے درس و تدریس میں گزارا، آپ سے سیکڑوں طلبہ نے کسبِ فیض کیا، آپ کے شاگردوں کا حلقہ بہت وسیع تھا، چند شاگردوں کے نام درج ذیل ہیں:

۱-مولانا احسان حسین مجدّدی (فرزند اکبر)-۲-مولانا سید ارشد علی رام پوری-۳-مولانا محمد اعجاز حسین مجدّدی رام پوری-۴-مولانا امداد اللہ عرف بنّے خاں مجدّدی-۵-مولانا امداد حسین مجدّدی (برادر، اکبر)-۶-مولانا حامد حسن رام پوری، مدرسہ منظر اسلام بریلی شریف-۷-مولانا پیر سید جماعت علی محدّث علی پوری-۸-مولانا حامد حسین مجدّدی مراد آباد-۹-مولانا حکیم حسین رضا خاں قادری برکاتی بریلوی-۱۰-مولانا حشمت اللہ خاں رام پوری-۱۱-مولانا حفیظ اللہ خان رام پوری قاضی القضاۃ-۱۲-مولانا سید خواجہ احمد قادری رام پوری-۱۳-مولانا مفتی سید دیدار علی محدّث الوری-۱۴-مولانا ریاست علی خاں شاہ جہاں پوری-۱۵-مولانا سراج الدین احمد خاں رام پوری (نائب مجسٹریٹ)-۱۶-سراج الفقہا مولانا سید محمد سلامت اللہ مجدّدی رام پوری-۱۷-مولانا شبلی نعمانی، مؤلف سیرۃ النبی-۱۸-مولانا سید شجاعت علی رام پوری-۱۹-مولانا محمد طیب عرب مکّی-۲۰-مولانا ظہور حسین فاروقی نقش بندی رام پوری-۲۱-مولانا عبد اللہ نقش بندی محدّث حرم شریف-۲۲-مولانا عبد الحمید خاں ابن ملّا غفران رام پوری-۲۳-مولانا محمد عبد الجلیل خاں حیدر آبادی-۲۴-مولانا صوفی عبد الرحمٰن مجدّدی، بنگالی-۲۵-مولانا عبد الغفار خاں مجدّدی رام پوری-۲۶-مولانا عبد القادر خاں مجدّدی-۲۷-مولانا عبد القادر خاں کابلی (مفتی عدالت ریاست رام پور)-۲۸-مولانا عبد الواحد ولایتی یمّ رام پوری-۲۹-مولانا حافظ علاء الدین احمد مجدّدی رام پوری-۳۰-مولانا علی عباس خاں رام پوری مفسر قرآن-۳۱-مولانا حافظ عنایت اللہ خاں نقش بندی-۳۲-مولانا غوث بخش خاں رام پوری-۳۳-مولانا غلام محی الدین عرف چھٹن میاں-۳۴-پروفیسر مولانا سید فدا علی رام پوری-۳۵-مولانا سید محمد گوہر علی نقش بندی رام پوری

خلفاے عظام: مفتی ارشاد حسین مجدّدی علیہ الرحمۃ سلسلہ نقش بندیہ مجدّدیہ میں بیعت فرماتے تھے، اور اسی سلسلے کی خلافت بھی عطا فرماتے تھے۔ آپ کے جن خلفاے عظام کے نام معلوم ہو سکے وہ درج ذیل ہیں:

[۱] سراج فقہا مولانا مفتی سید محمد سلامت اللہ نقش بندی مجدّدی رام پوری [۲] برادرِ اکبر مولانا امداد حسین مجدّدی رام پوری [۳] مولانا عبد الغفار خاں مجدّدی رام پوری (مرتب فتاویٰ ارشادیہ) [۴] مولانا حافظ عنایت اللہ خاں نقش بندی رام پوری (مؤلف مقامات ارشادیہ) [۵] مولانا عبد القیوم خاں مجدّدی نقش بندی [۶] مولانا ریاست علی مجدّدی نقش بندی شاہ جہاں پوری [۷] مولانا صوفی عبد الرحمٰن نقش بندی مجدّدی، بنگالی [۸] مولانا عبد القادر خاں نقش بندی مجدّدی (۲۱)

اولاد امجاد: آپ کے پانچ بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں، بیٹوں کے نام یہ ہیں: [۱] مولانا احسان حسین مجدّدی [۲] عرفان حسین مجدّدی (ان کا بچپن ہی میں انتقال ہو گیا) [۳] مولانا معوان حسین مجدّدی (شاگرد مولانا ساہ سلامت اللہ اعظمی و مولانا عبد الغفار خاں رام پور مہتمم مدرسہ ارشادیہ، کھاری کنواں، رام پور) (۲۲)

[۴] رضوان حسین مجدّدی (دس سال کی عمر میں انتقال ہو گیا)

[۵] مولانا ریحان حسین مجدّدی (شاگرد مولانا شاہ سلامت اللہ اعظمی و مولانا عبد الغفار خاں رام پور، مدرس مدرسہ ارشادیہ، رام پور) (۲۳)

[۶] (فرزند اکبر، و شاگرد مولانا شاہ سلامت اللہ اعظمی، و مولانا عبد الغفار خاں رام پور، و مولانا ظہور الحسین رام پوری۔ آپ کے دو صاحب زادے ہوئے: سجاد حسین و جواد حسین۔) (۲۴)

مسلک: حضرت مولانا مفتی ارشاد حسین مجدّدی علیہ الرحمۃ والرضوان خالص سنّی حنفی مسلک کے پیرو کار تھے، پوری زندگی اسی مسلک کی نشر و اشاعت کے لیے محنت اور کوشش کرتے رہے۔ آپ کا مسلکی رشتہ صحابۂ کرام، تابعین عظام اور ائمہ دین سے ہوتا ہوا

(۲۰) الحق المبین، ص:۱۴

(۲۱) تلامذہ اور خلفا کی فہرست "مسلک ارشاد" سے ماخوذ ہے۔
(۲۲) ان کے حالاتِ زندگی کے لیے دیکھیے: تذکرہ کاملان رام پور، ص:۴۰۷
(۲۳) ان کے حالات کے لیے مطالعہ کیجیے: تذکرہ کاملان رام پور، ص:۱۳۸
(۲۴) ان کے حالات کے لیے دیکھیے: تذکرہ کاملان رام پور، ص:۷

رسولِ اکرم ﷺ سے جڑتا ہے، آپ سلفی کہلانے والے غیر مقلّدین اور دیوبندی کہلانے والے مقلّدین کی طرح کسی نئے مسلک و مذہب سے تعلق نہیں رکھتے تھے، بلکہ اسلاف کے صحیح اور پسندیدہ مسلک، مسلکِ اہلِ سنت و جماعت پر کاربند تھے۔

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا محمد نور الدین نظامی، سابق پرنسپل مدرسہ عالیہ رام پور کی منصفانہ گفتگو نذرِ قارئین کردی جائے جو حضرت مولانا سیّد شاہد علی رضوی رام پور کی کتاب ''مولانا ارشاد حسین مجدّدی رام پوری، حیات، خدمات، نظریات، تعلیمات'' کی ابتدا میں ''حرفِ عقیدت'' کے عنوان سے شامل ہے۔ مولانا نظامی فرماتے ہیں:

''مذہب اہل، سنت کے چار مسلک متعارف ہیں: حنفی، شافعی، حنبلی، اور مالکی۔ ہندوستان میں اکثریت احناف کی ہے اور حنفی مسلک کے مقلّدین متعدّد طبقات میں بٹے ہوئے ہیں، لیکن مولانا ارشاد حسین مجدّدی خالص حنفی مسلک کے حامل تھے، اور احناف کے ہی معتقدات کی روشنی میں فتاوی صادر فرماتے تھے، باوجودے کہ مولانا کو ان کی حیات میں ہی اکابر علمانے علم و فضل کا کوہِ گراں تسلیم کیا، لیکن انھوں نے کسی نئے فرقے یا ازم کی داغ بیل نہیں ڈالی، بلکہ بعض باطل فرقوں کا انھوں نے کھلے طور پر رد کر کے اپنے قدیم مسلک کی وضاحت کی ہے۔

مولانا امتناعِ کذبِ باری، فرضیتِ توقیرِ نبی، معراج، جسمانی، قراءت خلفِ امام کا عدم جواز، ذکر ولادت، فاتحہ اور صلاۃ و سلام وغیرہ مسائل پر بھی جمہور کے اتباع میں فتاوی تحریر فرمائے ہیں۔ عجیب بات ہے کہ دورِ حاضر میں اس طرح پر جب کبھی تائیدی نوٹ یا مضامین لکھے جاتے ہیں تو سطحی ذہن رکھنے والے تنگ نظر افراد اور اندھی تقلید کے خوگر بڑی آسانی سے کہہ دیا کرتے ہیں کہ ''یہ بریلویوں کی باتیں ہیں'' جب کی مولانا ارشاد حسین صاحب مجدّدی کو کسی نے بریلوی نہیں کہا ہے۔ پھر یہ کسی ذات یا شہر یا قریہ سے مسلک کا انتساب مناسب نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مذہب اسلام کو ''محمدی مذہب'' یا مسلمان کو ''محمڈن'' کہنا جہالت ہے۔ اگر ایسا ہو تو دنیا کی ہر مقتدر اور مشہور شخصیت سے ایک الگ مسلک منسوب ہوگا اور لاکھوں مسالک عالمِ وجود میں آجائیں گے۔

احناف کا مذہب صرف مذہب اہل سنت ہے اور اہل و جماعت کے معتقدات کے خلاف اگر کسی کے قلم میں کج روی پیدا ہوئی تو علماے حق نے مصلحت اندیشی، مداہنت اور صلح کلیت کے نفع بخش نتائج کو بالاے طاق رکھتے ہوئے زبان و قلم سے بھرپور احتجاج کیا، اور آئین کے پاس داری کرتے ہوئے شرعی احکام صادر کیے، اور جب ناموس رسالت علیہ التحیۃ والثناء کو ہدف بنایا گیا تو عرب و عجم کے علماے حق کفن بردوش نظر آئے۔ نتیجہ کے طور پر بہت سے تائب ہوئے اور کچھ اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہے اور انھوں نے علماے حق سے متصادم ہو کر اپنی اپنی ٹولیاں بنا لیں، اور یہیں سے علماے حق اور علماے سو کے درمیان خلیج حائل ہو گئی۔ یہ علماے حق چاہے رام پور اور بریلی کے ہوں یا بدایوں اور شاہ جہاں پور کے، یوپی کے ہوں یا بہار کے، یا بنگال اور اڑیسہ کے، سبھی مذہب اہل سنت کے پیرو کار اور علم بردار ہیں، ان میں سے نہ تو کسی کو بہاری مسلک کا کہا جائے گا اور نہ بنگالی مسلک کا۔

حضرت مولانا ارشاد حسین مجدّدی صاحب حنفی اور رام پوری تھے۔ رام پور جہاں شعر و سخن کے اعتبار سے دلّی اور لکھنؤ سے الگ ایک مکتبِ فکر رکھتا ہے اسی طرح دینی شعور و آگہی کا بھی ایک الگ معیار رکھتا ہے اور وہ معیار سوائے مذہب اہل سنت کے اور کچھ نہیں۔ حضرت مولانا ارشاد حسین مجدّدی صاحب بھی علماے رام پور کے قدیم مسلک کے علم بردار تھے۔ اور یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ امام احمد رضا خاں قادری برکاتی بریلوی کی ولادت سے بہت پہلے امام الاتقیا حضرت مولانا ارشاد حسین مجدّدی کی ولادت ہو چکی تھی، اور مولانا بذاتِ خود شہرت و عظمت کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز تھے، اس لیے انھیں امام احمد رضا علیہ ارحمۃ الرضوان کا پیرو کار نہیں کہا جا سکتا۔ یہ اور بات ہے کہ قدیم علماے رام پور اور علماے بریلی کے معتقدات میں کافی حد تک ہم آہنگی ہے اور دونوں حنفی مسلک کی ترویج و اشاعت میں کوشاں ہیں''۔ (۲۵)

تحریری خدمات: مفتی محمد ارشاد حسین مجدّدی علیہ الرحمۃ الرضوان دعوت و ارشاد اور تعلیم و تدریس مسلسل مصروفیات کی وجہ سے تحریری و تصنیفی کام بہت زیادہ نہیں کر سکے۔ ان کی تحریری خدمات میں درج ذیل کتابیں معلوم ہو سکیں:

(۱) ترجمہ کتاب الحیل فتاوی عالم گیری: یہ فتاوی عالم گیری کی کتاب الحیل کا اردو زبان میں ترجمہ ہے، مولانا امتیاز علی خاں عرشی کے بیان کے مطابق یہ ترجمہ رضا لائبریری رام پور میں غیر مطبوعہ صورت میں محفوظ ہے، یہ ۱۸ × ۲۹ سائز کے ایک سو چھتیس صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ (۲۶)

---

(۲۵) مولانا ارشاد حسین مجدّدی رام پوری، حیات، خدمات، نظریات، تعلیمات، صفحہ: م-س، بعنوان: حرفِ عقیدت۔

(۲۶) فہرست مخطوطات اردو، رضا لائبریری رام پور، ج:۱، ص:۱۲۹

(۲)فتاوی ارشادیہ:اس کی دو جلدین چھپ چکی ہیں، جلد اول میں ۱۴۰صفحات ہیں اور جلد دوم میں ۱۸۴۔ فتاوی کی ترتیب اور تصحیح کا حضرت مفتی صاحب کے شاگرد اور خلیفہ حضرت مولانا عبدالغفار خاں نقش بندی مجدّدی رام پوری نے کیا ہے۔ یہ فتاوی ۱۹۶۸ء میں الیکٹرک ابولعلائی پریس آگرہ میں طبع ہوئے۔[۲۷]

(۳)ارشاد الصرف: یہ کتاب فن صرف میں ہے، مطبوعہ صفحات کی تعداد ۱۸۴ہے، حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمۃ نے پہلے حج سے واپسی کے بعد جس وقت وہ فقیر اخوند کی مسجد میں مقیم تھے مولانا حافظ عنایت اللہ خاں نقش بندی مجدّدی کے لیے یہ کتاب تصنیف فرمائی۔ حافظ احمد علی شو نے "تذکرہ کاملان رام پور" ص: ۲۶۹ پر اس کی تصنیف واقعہ تفصیل سے لکھا ہے۔ اس کا تتمہ آپ کے شاگرد حضرت مولانا شاہ سلامت اللہ اعظمی رام پوری (متوفی ۱۳۳۸ھ) نے لکھ کر طبع کرایا۔[۲۸]

(۴)انتصار الحق: نواب قطب الدین خاں دہلوی نے سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مناقب مین ایک رسالہ لکھا، جس کے جواب میں غیر مقلّدین کے پیشوا میاں نذیر حسین دہلوی نے "معیار الحق" کے نام سے ایک کتاب لکھی تو حضرت مفتی محمد ارشاد حسین رام پوری نے زیر نظر کتاب "انتصار الحق" لکھ کر حق کی نصرت وحمایت فرمائی۔

وفات: آپ کو ۸/ جُمادی الآخرہ ۱۳۱۱ھ کو سخت بخار آیا جس میں کمی نہ آئی، اس حالت تمام امانتیں ان کے مالکوں کو واپس کیں، بیماری کی شدّت کے با وجود ساری نمازیں مقررہ اوقات ہی پر ادا فرماتے، اور ادو وظائف بھی معمول کے مطابق پڑھتے رہے۔ ۱۵/ جمادی الآخرہ کو دوشنبہ کے دن اس دارِ فانی سے رحلت فرمائی۔ آپ کی رحلت کی خبر پاکر سارا شہر رام پور جنازے کے لیے امنڈ آیا، عید گاہ کے میدان میں نماز جنازہ ہوئی، اور اپنی مسجد کے متّصل پورب کی طرف اپنی مملوکہ زمین میں مدفون ہوئے۔[۲۹]

مصادر و مراجع

اس مقالے کی تیاری میں درج ذیل کتابوں سے مدد لی گئی ہے:

(۱)- اخبار الصنادید: مولّف: مولانا نجم الغنی خاں رام پوری، مطبوعہ مطبع نو؛ کشور لکھنؤ، ۱۹۱۸ء۔

(۲)- انوارِ ساطعہ در بیان مولود و فاتحہ: تصنیف: علامہ شیخ محمد عبدالسمیع بے دل انصاری رام پوری (متوفیٰ ۱۹۰۰ء) ناشر: طلبۂ درجۂ فضیلت جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ (یوپی) انڈیا۔ بار چہارم: جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ/جون ۲۰۰۷ء۔

(۳)- تذکرہ کاملان رام پور: مؤلّف حافظ احمد علی خاں شوق رام پوری (متوفیٰ: ۱۹۳۳ء) ناشر: خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ، طبع ثانی بہ تصحیح و اضافہ: ۱۹۸۶ء۔

(۴)- تذکرہ علماے اہل سنت: مصنف: مولانا محمود احمد قادری، سابق استاد مدرسہ احسم المدارس قدیم، کان پور، ناشر: سنی دارالاشاعت علویہ رضویہ، ڈجکوٹ روڈ فیصل آباد، (پاکستان)، بار دوم ۱۹۹۲ء۔

(۵)- الحق المبین: تصنیف علامہ سید احمد سعید کاظمی

(۶) حیاتِ اعلیٰ حضرت: تصنیف ملک العلما علامہ محمد ظفر الدین رضوی بہاری (متوفیٰ: ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء) ترتیب جدید: مفتی محمد مطیع الرحمٰن مضطر، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی۔

(۷)- سوادِ اعظم: تالیف: مولانا یٰسین اختر مصباحی بانی و صدر دارالقلم، ذاکر نگر، نئی دہلی، ناشر: مکتبہ ایوبیہ، خانقاہ قادریہ ایوبیہ، رضا نگر پپرا کنک، ضلع کشی نگر، یوپی، سن طباعت: ۱۴۳۴ھ/۲۰۱۳ء۔

(۸)- الفقیہ، امرتسر پنجاب: - شمارہ مورخہ ۲۱/ اگست ۱۹۴۵ء۔

(۹)- فہرست مخطوطات اردو: (رضا لائبریری، رام پور) تالیف: مولانا امتیاز علی خاں عرشی (سابق ڈائرکٹر رضا لائبریری، مطبوعہ رضا لائبریری رام پور۔

(۱۰)- کنز العمال فی سنن الأقوال والأفعال: مؤلّف شیخ علاء الدین علی بن حسام الدیم متقی ہندی برہان پوری (متوفیٰ: ۹۷۵ھ) تحقیق: بکری حیاتی، صفوۃ السقّاء، ناشر: موسسۃ الرسالۃ، الطبعۃ الخامسۃ، ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء۔

(۱۱)- حالات مشائخ نقش بندیہ مجدّدیہ: تالیف: مولانا حسن نقش بندی مجدّدی، ناشر: اللہ والے کی قومی دکان، کوچہ ککے زیاں، بازار کشمیری، لاہور، پاکستان۔

(۱۲)- مسلکِ ارشاد: تالیف مولانا سید شاہد علی رام پوری، ناشر: مجلس جمال مصطفیٰ خانقاہ نوریہ، لال مسجد، رام پور، سنہ اشاعت: ذی قعدہ ۱۴۲۷ھ/دسمبر ۲۰۰۶ء۔

(۱۳)- مشائخ نقش بندیہ: تالیف: نفیس احمد مصباحی، استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ (راقم سطور) ناشر: کتب خانہ مینائیہ نزد پولس لائن، نیو حیدر آباد، لکھنؤ، طبع اول: ذی قعدہ ۱۴۳۱ھ/۲۰۱۰ء۔

(۱۴)- معارف عنایتیہ: - تالیف: مولانا حامد علی خاں رام پوری، مطبوعہ رام پور۔

(۱۵)- مقاماتِ خیر: تصنیف: مولانا شاہ ابوالحسن زید فاروقی، ناشر: ڈاکٹر ابوالفضل محمد فاروقی درگاہ حضرت شاہ ابوالخیر، شاہ ابوالخیر مارگ، دہلی ۶۔

(۱۶)- مولانا ارشاد حسین مجدّدی رام پوری، حیات، خدمات، نظریات، تعلیمات: تصنیف: مولانا سید شاہد علی رضوی، رام پوری، ناشر: خانقاہ عالیہ قادریہ رضویہ نوریہ جمالیہ لال مسجد، رام پور، یوپی (انڈیا) اشاعت: ۱۴۱۰ھ/۱۹۸۹ء۔

(۱۷)- ہفتہ وار دبدبۂ سکندری رام پور: **شمارہ مورخہ ۱۲ اگست ۱۹۴۰ء۔**

(۱۸)- جامع الشواہد فی إخراج الوہابیین عن المساجد: - تصنیف: مولانا مفتی وصی احمد محدث سورتی (متوفیٰ ۱۳۳۴ھ) ناشر: کتن خانہ امجدیہ، مہراج گنج، بستی، سنِ اشاعت: ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۵ء۔

☆☆☆☆

(۲۷) مسلکِ ارشاد، ص: ۹۱، ۹۲

(۲۸) تذکرہ کاملان رام پور، ص؛ ۳۳

(۲۹) مصدر سابق، ص؛ ۳۲، ۳۳

عراق جنگ کو غلط رخ دینے کی کوشش

صابر رضا رہبر

عراق ایک بار پھر لہولہو ہے، قتل وغارت کا بازار گرم ہے اور چنگیزی طاقتیں بغداد میں خون خرابے کی تاریخ دوہرانے کے درپے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ آج جو کچھ عراق میں ہورہا ہے اس کی بنیاد امریکہ اور برطانیہ نے ہی اپنے اتحادیوں کے ساتھ رکھی تھی۔ یہ امریکہ و برطانیہ اور ان کے حلیف ممالک تھے جنھوں نے بے بنیاد الزامات کی آڑ میں عراق کو تباہ کردیا لیکن عراق کی موجودہ تصویر کے لیے خود کو ذمہ دار نہ تصور کرتے ہوئے بڑی ڈھٹائی کے ساتھ برطانیہ کے سابق وزیر اعظم ٹونی بلیئر نے کہہ دیا کہ عراق میں جو کچھ ہورہا ہے وہ ۲۰۰۳ء کا شاخسانہ نہیں ہے بلکہ اگر صدام حسین کو پھانسی نہیں بھی دی جاتی تب بھی اس طرح کے حالات پیدا ہونا یقینی تھے۔ یاد رہے کہ یہی ٹونی بلیئر تھے جنہوں نے اسلام کو ایک دہشت پسند مذہب تعبیر کرتے ہوئے کہا تھا کہ اگر اس کا قدم نہیں روکا گیا تو یورپ میں اس کا دائرہ بہت جلد پھیل جائے گا۔ پھر ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت دہشت گردی کے خاتمہ کے نام پر عالم اسلام کو تاخت وتاراج کرنے کا سلسلہ شروع کردیا گیا۔ افغانستان کے بعد عراق، پاکستان، شام اور پھر عراق۔ دنیا کو آج جارج ڈبلیو بش اور ٹونی بلیئر سے پوچھنا چاہیے کہ عراق میں امن قائم کرنے کے ان کے وعدے کیا ہوئے؟۔ یہ تو واضح ہی ہے کہ عراق میں جاری خانہ جنگی کا براہ راست فائدہ امریکہ کو حاصل ہوگا۔ اس جنگ سے عراق وایران کو کچھ ملنے والا نہیں ہے کیوں کہ یہ آگ جس نے لگائی ہے وہ اس سے فائدہ اٹھانے کی بھرپور کوشش میں مصروف ہے۔ بیرونی طاقتیں ہر بار مسلم ممالک میں ٹکراؤ کی صورت پیدا کرکے طرفین سے مٹھی گرم کرتی رہی ہیں۔ لیکن بہت کچھ لٹانے کے باوجود مسلم ممالک کے سربراہان کے ہوش ٹھکانے نہیں لگے ہیں۔

میں اس میں کسی تذبذب کا شکار نہیں کہ عراق میں جاری کشت وخون مسلکی جنون کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ یہ اقتدار کی ہوس پورا کرنے کی مذموم کوشش ہے لیکن کچھ طاقتیں اسے شیعہ سنی تصادم قرار دے کر ایک بار پھر مسلمانوں کے دو طبقوں کو باہم لڑانے کی سازش رچ رہی ہیں۔ یہ کوشش بین الاقوامی سطح سے لے کر قومی سطح تک ہورہی ہے۔ بین الاقوامی میڈیا اسے سنی دہشت گرد اور شیعہ کے درمیان جاری جنگ کہہ رہا ہے جبکہ بی جے پی لیڈر سبرامنیم سوامی نے تو یہاں تک اعلان کردیا کہ اس جنگ میں ہندوؤں کو شیعہ کا ساتھ دینا چاہیے کیوں کہ شیعوں کا رویہ ہندووں کے تئیں نرم ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں عراق کی مدد کرنی چاہیے اور اسرائیل سے دوستی نہیں توڑنی چاہیے مجھے سبرامنیم کی اس دریادلی پر بے ساختہ ہنسی آگئی کیوں کہ وہ مسلمانوں کے خلاف زہر اگلنے کے لیے جانے جاتے ہیں، کبھی انہوں نے مسلمانوں کو ووٹ دینے کے حق سے بھی محروم کردیے جانے کا مطالبہ کیا تھا اس وقت انہوں نے شیعہ سنی کی تفریق بھی نہیں کی تھی پھر آج ان کے فکر میں اچانک تبدیلی کسی گہری سازش کا نتیجہ ہوسکتا ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہندوستان میں فرقہ وارانہ فسادات کی آگ بھڑکانے کی تیاری چل رہی ہے اور مسلمانوں کو کمزور کرنے کے لیے شیعہ کے ساتھ دوستی اور سنی کے ساتھ دشمنی کا دکھاوا کیا جارہا ہے۔

برسوں پہلے ہم نے ایک کہانی پڑھی تھی۔ تین آدمی گنا کے ایک کھیت سے گنا توڑ کر کھاتے ہوئے پکڑے گئے۔ کسان تنہا ہونے کی وجہ سے ان کو چوری کا سزا دینے سے قاصر تھا۔ اسے ایک تدبیر سوجھی۔ اس نے ان تینوں سے اس کا گھر اور اس کی ذات پوچھی۔ پھر ایک طرف مخاطب ہوکر کہنے لگا ' یہ ان دونوں میں تو ایک میرے گاؤں کے قریب کا ہے اور دوسرا میری ذات کا ہے۔ اس لیے اس نے گنا توڑ لیا لیکن تم نہ تو میرے گاؤں کے ہو اور نہ ہی میری ذات کے ہو۔ اس کے بعد دونوں چور اور مالک نے مل اس کی جم کر پٹائی کی اور آگے بڑھ گیا۔ تھوڑی دور جاکر کھیت مالک نے ایک کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ یہ تو میری ذات کا ہے اس لیے میرا کھیت اس کا کھیت ایک ہی جیسا ہے لیکن تم تو میرے گاؤں

ایڈیٹر روزنامہ انقلاب پٹنہ
sabirrahbar10@gmail.com

کے بھی نہیں ہو نہ ہی میری ذات کے ہو پھر تم نے میرے کھیت سے چوری کیوں کی؟ جب کھیت مالک اس کو ٹھکانے لگا چکا تو تیسرے کی جانب مخاطب ہو کر کہا کہ تم میری ذات کے ہو تو کیا میرے کھیت سے چوری کروگے؟ چوں کہ چور تنہا بچ گیا تھا اس لیے اس کا بھی حشر اس کے دیگر دوستوں جیسا ہوا۔

یہ فقط ایک کہانی نہیں ہے بلکہ عصر حاضر میں مسلمانوں کے لیے درس عبرت ہے۔ گجرات میں جب قتل عام ہوا تو وہاں یہ نہیں دیکھا گیا کہ کون شیعہ، کون سنی ہے بلکہ بنام مسلم جو سامنے آیا اسے مشق ستم بنایا گیا، گھروں اور دکانوں کو جلاتے وقت شیعہ اور سنی کا خیال نہیں رکھا گیا۔ سبرامنیم کی ہمدردی کو گہرائی سے سمجھنے کی ضرورت ہے کیوں کہ گجرات میں بھی ہندوؤں نے بھورا (شیعہ) کو یہ اعتماد دلایا تھا کہ ہمیں تم سے کوئی غرض نہیں بلکہ سنیوں سے نمٹنا ہے۔ لیکن آج شواہد منافقانہ پالیسی کا پول کھول رہے ہیں۔ سبرامنیم کو اگر واقعی انسانیت کا درد ہے تو انہیں شیعہ سنی کی تفریق کرنے کے بجائے انسانی لہو کی حفاظت کی بات کرنی چاہیے۔ خون تو خون ہی ہے خواہ وہ کسی کا ہو، اس کا رنگ لال ہی ہوگا۔ ہمیں بلا تفریق مذہب مظلوموں کا ساتھ دیتے ہوئے انصاف کا تقاضہ پورا کرنا چاہیے۔ مسلک و مذہب اور قبائل کی دیوار کے پس پردہ اپنے ناپاک ارادوں کی تکمیل کا موقع ڈھونڈنا موقع پرستی اور خود غرضی ہے۔

عالم عرب میں کبھی جہاد تو کبھی مسلکی تشدد کے نام پر خانہ جنگی کا بازار گرم ہے، افغانستان، شام، مصر، پاکستان اور عراق گزشتہ کئی برسوں سے زبردست خانہ جنگی کے شکار ہیں حالاں کہ وہاں مسلک کے نام پر جاری رقص ابلیسی کا تعلق کسی بھی نہج سے اسلامی جہاد سے نہیں ہے۔ مسلم ممالک میں پھوٹنے والی خانہ جنگی کو بڑی چالاکی سے اہل مغرب نے بہار عرب کا نام دے دیا۔ مسلم سربراہان کو ظالم اور عوام کو مظلوم قرار دیتے ہوئے عوام سے جھوٹی ہمدردی کا اظہار کرکے عوام کے ہاتھوں میں مہلک ہتھیار تھما دیے۔ اسی ہمدردی کا نتیجہ تھا کہ شام میں مہلک گیس نے سیکڑوں بچوں کو تڑپا تڑپا کر موت کے گھاٹ اتار دیا اور یہ بھی اسی منافقت کی دین ہے کہ آج جنگ زدہ ممالک سے ہجرت کرنے والے مسلمانوں کی تعداد بڑھتی جاری ہے۔ پہلے میانمار میں مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کیا گیا اور یہ آگ سری لنکا تک پہنچ گئی جہاں انتہا پسند بودھوں کے ذریعہ مسلمانوں پر ظلم و تشدد کا سلسلہ جاری ہے۔ جمہوریہ افریقہ کو بھی مسلمانوں سے پاک کرنے کی تحریک شروع کردی گئی اور سیکڑوں مسلمانوں کو تہ تیغ کر دیا گیا لیکن حیرت اس بات پر ہے کہ مسلمانوں کی نسل کشی کی اس منظم سازش کو عالمی میڈیا اور انصاف کے علم بردار اہل مغرب نے کبھی دہشت گردی سے تعبیر نہیں کیا۔

دہشت گردی کے خاتمہ کے نام پر دہشت گردی کو فروغ دینے کا سلسلہ جاری ہے اور پوری دنیا اس کی لپیٹ میں آتی جارہی ہے۔ ایسے ہولناک ماحول میں اقوام متحدہ کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اپنے وجود کے مقصد کو پورا کرتے ہوئے دنیا کو جنگ کی آگ میں جھلسنے سے بچائے۔ صرف زبانی مذمت سے حالات کنٹرول ہونے والے نہیں، اس لیے اقوام متحدہ کو سخت فیصلہ لینا ہوگا۔ سب سے پہلے امریکہ اور اس کے اتحادی کو لگام لگانا ضروری ہے کیوں کہ آج عراق، افغانستان، پاکستان اور شام میں جو خون کی ندیاں بہہ رہی ہیں، اس کی بنیاد سابق امریکی صدر جارج ڈبلیو بش اور برطانیہ کے سابق وزیر اعظم ٹونی بلیئر نے رکھی تھی۔ جنگی جرائم قانون کے تحت ان دونوں جنگی مجرموں کے خلاف مقدمہ چلانا چاہیے۔ لیکن اقوام متحدہ جس طرح امریکہ کی کٹھ پتلی بنتا جارہا ہے۔ اس کے پیش نظر مجھے امید قوی ہے کہ اقوام متحدہ ایسا کوئی اقدام نہیں کرے گا جس سے امریکہ ناراض ہو۔

اقوام متحدہ کی بے بسی تو اسی وقت سامنے آگئی تھی جب ہزار مخالفتوں کے باوجود امریکہ نے عراق کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ جنگ وجدال کی تاریخ شاہد ہے کہ جنگ کبھی کسی مسئلہ کا حل نہیں نکال سکی ہے، جب بھی کہیں امن کا سویرا قائم ہوا ہے۔ اس میں باہمی گفتگو اور آپسی صلح پسندی نے ہی اہم کردار نبھایا ہے۔ اس کے باوجود آج قومی وبین الاقوامی سطح پر ہر چھوٹے بڑے مسئلہ کو حل کرنے کے لیے جنگ کا بازار گرم کردیا جاتا ہے اور پھر پلک جھپکتے ہی خدا کی زمین انسانوں کے لہو سے لالہ زار نظر آنے لگتی ہے۔ ☆☆☆☆

دھنباد میں ماہ نامہ اشرفیہ حاصل کریں

جناب محمد شمیم انصاری صاحب

سندر نگر، تھانہ جوراپوکھر، جیل گورا

ضلع دھنباد، جھارکھنڈ

فکر ونظر

موجودہ مرکزی حکومت اور مسلم قائدین

بزمِ دانش میں آپ ہر ماہ بدلتے حالات اور ابھرتے مسائل پر فکر وبصیرت سے لبریز نگارشات پڑھ رہے ہیں۔ ہم ارباب قلم اور علمائے اسلام کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ دیے گئے موضوعات پر اپنی گراں قدر اور جامع تحریریں ارسال فرمائیں۔ غیر معیاری اور تاخیر سے موصول ہونے والی تحریروں کی اشاعت سے ہم قبل از وقت معذرت خواہ ہیں۔ از: مبارک حسین

ستمبر ۲۰۱۴ء کا عنوان　　اردو میں منقبت نگاری: آغاز وارتقا

اکتوبر ۲۰۱۴ء کا عنوان　　بچہ مزدوری-اسباب وتدارک

نئی حکومت سے مسلمانوں کو مایوس ہونے کی ضرورت نہیں

از: صابر رضا رہبر، ایڈیٹر انقلاب پٹنہ، sabirrahbar10@gmail.com

وزیر اعظم نریندر مودی کی حلف برداری کے بعد ارباب فکر ودانش کے درمیان یہ بحث جاری ہے کہ سیکولر طاقتوں کی تمام تر کوششوں کے باوجود ایک فرقہ پرست پارٹی یہ تاریخی فتح حاصل کرنے میں کیوں کر کامیاب ہوگئی؟ مودی نے اپنی تشہیری اور انتظامی صلاحیتوں سے وہ کر دکھایا جس کی توقع کسی کو نہیں تھی۔ عام انتخابات میں سیکولر طاقتوں کی شرمناک شکست جمہوریت کے لیے بہر حال نیک شگون نہیں ہو سکتا، بہوجن سماج وادی پارٹی سمیت دیگر بڑی علاقائی پارٹیوں کا صفایا ہو جانا اور ریاست میں برسر اقتدار پارٹیوں کا محض چند سیٹوں تک سمٹ کر رہ جانا جمہوریت پسند طبقہ کے لیے لمحۂ فکریہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ آخر علاقائی پارٹیاں خصوصاً جو ریاست میں برسر اقتدار ہیں ان کا جادو کوئی کرشمہ کیوں نہیں دکھا سکا؟

ستم ظریفی یہ ہے کہ سیکولر پارٹیاں عام انتخابات میں اپنی شکست کے اسباب کا جائزہ لینے اور خود احتسابی کے عمل سے گزرنے کے بجائے مودی کی جیت اور اپنی ناکامی کا ٹھیکرا مسلمانوں کے سر پھوڑ رہی ہیں۔ حالاں کہ مودی کی جیت کا سہرا صحیح معنوں میں کانگریس اور اس کی ہمنوا سیکولر پارٹیوں کے سر جاتا ہے۔ کانگریس اپنی غیر دانشورانہ حکمت عملی کے سبب عام انتخابات میں جہاں مودی کا سامنا کرنے میں ناکام رہی وہیں عوام کے سامنے اپنے ایجنڈے کو پیش کرنے میں بھی بے دست وپا ثابت ہوئی۔ سیاسی تجربات سے محروم شخص کے ہاتھوں میں عام انتخابات کی زمام سونپ کر میدان مارنے کی کوشش کو پس پردہ مد مقابل کی جیت کی راہ کو آسان کرنے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ سیاسی پنڈتوں کی مانیں تو اگر سونیا گاندھی اپنے شہزادے کے زور بازو پر بھروسہ کرنے کی بجائے کسی اور یا پرینکا گاندھی کے ہی ہاتھوں میں انتخابات کی باگ ڈور تھمائی ہوتی تو شاید کانگریس کو اتنی بڑی ہزیمت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔

مودی نے بلکہ آر ایس ایس نے عام انتخابات کی تیاری بہت پہلے شروع کر دی تھی اور اس کے لیے اس نے سیاسی توڑ جوڑ سے لے کر میڈیا کی سوداگری تک سب کچھ کیا، مسلمانوں کو اپنی جانب راغب کرنے کے لیے بھی مودی نے ہر ممکن کوشش کی، جب مسلمان راغب ہوتے نظر نہیں آئے تو ٹوپی اور نقاب کے سہارے نقلی مسلمان تیار کر کے دنیا کو یہ تاثر دیا کہ ہمیں ہر طبقہ کی حمایت حاصل ہے۔ یہ سب کچھ حریفوں کی آنکھوں کے سامنے ہوتا رہا لیکن کانگریس اور سیکولر پارٹیاں اسے مذاق سمجھتی رہیں۔ مودی کی حکمت عملی کو سنجیدگی سے نہیں لیا جانا ہی سیکولر پارٹیوں کی شکست کی سب سے بڑی وجہ ہے۔ ہر جنگ کا یہ اصول رہا ہے کہ مد مقابل کی تیاریوں کے اعتبار سے اپنی تیاریاں کی جاتی ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ دشمن کو کمزور سمجھنے والوں کو اکثر شرمناک ہار سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ عام انتخابات میں سیکولر طاقتوں کی شکست اس کی زندہ مثال ہے۔ یہ سیکولر پارٹیوں میں

انتشاراور کمزور حکمت عملی کی ہی مرہون منت ہے کہ گجرات، راجستھان اور مدھیہ پردیش سمیت پانچ ریاستوں میں بی جے پی کے علاوہ کسی پارٹی کا کھاتہ بھی نہیں کھل سکا۔

یوپی میں سماج وادی پارٹی اور بہوجن سماج پارٹی، بہار میں جنتادل یونائیٹڈ اور راشٹریہ جنتادل چاروں پارٹیاں اگر علاقائی سیاست کی رسہ کشی کو تھوڑی کے لیے بھلاکر عام انتخابات میں اترتی توشاید عام انتخابات کے نتائج اس قدر چونکانے والے نہیں ہوتے۔ اترپردیش اور بہار یہ وہ ریاستیں ہیں جہاں سے دہلی کی سمت طے ہوتی ہے، ان ہی دونوں ریاستوں میں سیکولر پارٹیوں کو زبردست ہار کا منہ دیکھنا پڑا ہے۔ اترپردیش میں بلاشرکت غیر ریاست پر حکومت کرنے والی بہوجن سماج وادی پارٹی کا کھاتہ بھی نہیں کھل سکا۔ وہیں برسر اقتدار سماجوادی پارٹی کو محض ۵/ سیٹوں پر اکتفا کرنا پڑا۔ اسی طرح بہار میں راشٹریہ جنتادل کی جھولی میں محض ۴/ سیٹیں آئیں جب کہ حکمراں پارٹی جے ڈی یو کو توقع سے نہایت ہی کم یعنی ۲/ سیٹ ہی ہاتھ آئیں اور جے ڈی یو کے قومی صدر شردیادو بھی ہار گئے۔

مسلمانوں پر الزام دھرنے سے قبل اس بات پر غور کیا جانا ضروری ہے کہ آخر غیر مسلم ووٹروں نے انہیں کیوں نہیں قبول کیا؟ مسلمان آزادی کے بعد سے آج تک جمہوریت کی حفاظت کرتا رہا ہے اور جب بھی سیکولرزم پر آنچ آئی ہے مسلمانوں نے بڑھ کر اس کا مقابلہ کیا ہے۔ یہی وجہ رہی کہ سیکولرزم کا دعویٰ کرنے والی چھوٹی بڑی تمام پارٹیاں مسلم ووٹ کو اپنی موروثی جائداد سمجھتی رہی ہے۔ الیکشن سے عین قبل کبھی فسادات کرا کر تو کبھی مندر مسجد کا موضوع گرم کر کے مسلمانوں کو ایک طرح سے نفسیاتی خوف میں مبتلا کردیا جاتا ہے۔ سیکولر پارٹیوں کا تجربہ گزشتہ نصف صدی سے کامیاب ہوتا آیا ہے لیکن اس خوف نے اس بار اس لیے وہ کام نہیں کیا جواب تک کرتا آیا تھا کیونکہ ایک طرف مسلمان اپنے مسیحاؤں سے مایوس اور کنفیوژ تھے تو دوسری طرف اکثریتی فرقے میں زبردست پولرائزیشن تھا یہاں تک کہ دلتوں نے بھی مودی میں اپنا مسیحا ڈھونڈ لیا؟

یہ کہنا غلط ہوگا کہ مسلمانوں نے بی جے پی کو بالکل ووٹ نہیں دیا لیکن ایک ہی سیٹ سے متعدّد سیکولر امیدواروں کے کھڑے ہونے سے جمہوریت پسند عوام کے لیے فیصلہ کرنا بڑا مشکل ہوگیا تھا۔ پھر بھی خصوصًا مسلمانوں نے اپنی سیاسی سوجھ بوجھ کے ساتھ سیکولر امیدوار کو ووٹ دیا لیکن متعدّد امیدوار ہونے کے سبب ان کے ووٹوں کی کوئی قدر نہیں رہی کبھی کبھی ذہن میں سوال ابھرتا ہے کہ کہیں سیکولر پارٹیوں نے بھی مودی کا خواب شرمندہ تعبیر کرنے کی قسم تو نہیں کھا رکھی تھی جو سونے کی تھالی میں سجا کر اقتدار کو بی جے پی کے حوالے کردیا۔ سیاست کے اصول نرالے ہوتے ہیں کبھی ووٹ حاصل کر کے جیت رقم کی جاتی ہے تو کبھی کسی کے ووٹ کو بے وقعت کر کے فتح حاصل کی جاتی ہے، ۱۶/ویں عام انتخابات میں اسی اصول کو دوہرایا گیا ہے۔

مودی ملک کی وزارت عظمیٰ کی کرسی پر فائز ہو ہی چکے تو سوال یہ اٹھتا ہے کہ وہ ملک کو کس راہ پر لے جائیں گے؟ کیا وہ آر ایس ایس کے ذریعہ کھینچے ہوئے خطوط پر ملک کے مستقبل کا تانا بانا بنیں گے؟ جن میں دفعہ ۳۷۰/ کی منسوخی اور یکساں سول کوڈ وغیرہ شامل ہے یا پھر ہندوستانی جمہوریت کا بھرم رکھتے ہوئے اس کی عظمت میں اضافہ کریں گے۔ چوں کہ مودی وہ شخص ہے جس نے آر ایس ایس کا پرچارک بننے کے لیے ۱۸/ سال کی عمر میں اپنی نئی نویلی دلہن تک کو تیاگ دیا۔ اس لیے اگر سیکولر عوام کے ذہن میں خدشات وشبہات جنم لے رہے ہیں تو اسے بے وجہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ لیکن انہوں نے جس طرح سے ہندوستان سے سخت ترین حریف ملک پاکستان کے وزیر اعظم کو اپنی حلف برداری کی تقریب میں مدعو کیا، وہ ایک مودی میں ایک خوشگوار تبدیلی کا اشارہ ہے۔ مودی کے وزیر اعظم بننے سے مسلمانوں کو احساس کمتری ونفسیاتی خوف میں مبتلا ہونے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ کیوں کہ خدا کا شکر ہے کہ ہندوستان ایک جمہوری ملک ہے اور بی جے پی کو اتنی بھی اکثریت نہیں ملی ہے کہ وہ آئین کے بنیادی اصولوں سے چھیڑ چھاڑ کرسکے۔ اگر ایسا کرنے کی کوشش کی گئی تو ملک کے سیکولر عوام سینہ سپر ہوجائیں گے۔

اب سوال یہ ہے مودی حکومت میں مسلم قائدین کا طرز عمل کیا ہونا چاہیے تو اس کے لیے سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ مسلم قائدین مسلمانوں کے دلوں سے مودی نام کے خوف کو باہر نکالنے اور انہیں خدا اور آئین پر بھروسہ رکھنے کی ترغیب دیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ چوں کہ نریندری مودی اب گجرات کے وزیر اعلیٰ نہیں رہے بلکہ اب ہندوستان کے وزیر اعظم ہیں۔ اس لیے مسلمانوں کو اب اپنے نظریات میں جزوی تبدیلی لانے کے ساتھ ساتھ اپنے حقوق کی بازیافت کے لیے ٹھوس پالیسی طے کرنی ہوگی۔ اس بات کو دماغ سے خارج کردیا جانا چاہیے کہ نریندر مودی کی پرورش آر ایس ایس کی آغوش میں ہوئی ہے، اس لیے وہ مسلمانوں کی بہتری کے لیے کوئی اقدام نہیں کریں گے۔ ایسے خیالات مایوس کن ذہنیت کی عکاس ہیں۔ ماضی سے سبق؛ حال کا مخلصانہ تجزیہ اور مستقبل کے ٹھوس لائحہ عمل تیار کیے بغیر اکیسویں صدی میں عظمت رفتہ کی بحالی کا خواب دیکھنا محض خیالی پلاؤ پکانے کے مترادف ہوگا۔ ☆☆

مودی اور مسلمان

بشکریہ العربیہ ڈاٹ نیٹ۔

وزیر اعظم نریندر مودی نے پارلیمنٹ میں اپنے پہلے خطاب میں جہاں اپنی حکومت کا ایجنڈا پیش کیا، وہیں ملک کی سب سے بڑی اقلیت (مسلمانوں) کا ذکر کرتے ہوئے ان کے حالات کو بہتر بنانے کا ارادہ بھی ظاہر کیا۔ گو کہ ان ارادوں پر ابھی رائے دینا قبل از وقت ہو گا، مگر مودی نے جس طرح ایک فلاحی حکومت کا خواب دکھانے کی کوشش کی ہے، اندیشہ ہے کہ کہیں یہ ایک مفروضہ ثابت نہ ہو جائے۔ اس سے قبل بھی کئی لیڈروں نے ماضی میں اسی طرح کے خواب عوام کو دکھائے ہیں، مگر جب ان کا سامنا زمینی حقائق سے ہوا تو وہ آسمان سے زمین پر آ گئے۔

اس تقریر میں مودی نے مسلمانوں کے حوالے سے کہا کہ دہائیاں گزرنے کے باوجود ملک کی سب سے بڑی اقلیت یعنی مسلمان غربت کا شکار ہیں۔ نئی حکومت ملک کی ترقی میں اقلیتوں کو شریک بنانے کے لیے ہر ممکن قدم اٹھائے گی۔ اگر مودی حکومت واقعی مسلمانوں کی ترقی اور ان کی بہتری کے لیے کوئی ٹھوس قدم اٹھاتی ہے تو یہ قابل تعریف ہوگا۔

سابق وزیر اعظم من موہن سنگھ نے ۲۰۰۵ء میں جسٹس راجندر سچر کی قیادت میں مسلمانوں کی اقتصادی اور سماجی صورت حال کا جائزہ لینے کے لیے ایک کمیشن قائم کیا تھا، جس نے مسلمانوں کی پسماندگی کے حوالے سے کئی ہوشربا انکشاف کیے، جس کے نتیجے میں سابق حکومت نے ایک ۱۵ نکاتی پروگرام کی منظوری دی جس کے تحت مسلم بچوں کو اسکالر شپ اور مسلم اکثریتی علاقوں میں خصوصی ترقیاتی اسکیموں کا نفاذ شامل تھا۔ مودی حکومت نے ابھی تک یہ واضح نہیں کیا ہے، کہ آیا یہ اسکیمیں جاری رہیں گی یا ختم کی جائیں گی، کیونکہ مغربی صوبہ گجرات کے وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے انہوں نے ان اسکیموں کی مخالفت کی تھی اور ان میں سے اکثر اسکیموں کو گجرات میں لاگو نہیں ہونے دیا تھا۔

مودی کی تقریر سے قبل صدر جمہوریہ پرناب مکھرجی نے دونوں ایوانوں سے رسمی مشترکہ خطاب کیا، جو دراصل نئی حکومت کی پالیسیوں اور ترجیحات کا اعلان ہوتا ہے۔ صدر مملکت کی تقریباً پانچ ہزار الفاظ پر مشتمل تقریر میں پچاس نکات بیان کیے گئے ہیں۔ ان میں اقلیتوں کے بارے میں سرسری طور پر یہ کہا گیا: ”یہ افسوس کا مقام ہے کہ آزادی کے ایک طویل عرصہ بعد بھی اقلیتی فرقوں کے طبقات مفلسی اور بدحالی کا شکار ہیں کیونکہ سرکاری فلاحی اسکیموں کے ثمرات ان تک نہیں پہنچے ہیں۔ حکومت تمام اقلیتوں کو ہندوستان کی ترقی کی دوڑ میں شامل کرنے کے لیے عہد بستہ ہے۔ حکومت اقلیتی فرقوں میں جدید اور ٹیکنیکل تعلیم کے فروغ کی طرف خصوصی توجہ دے گی اور اسے تقویت پہنچانے کے لیے اقدامات کرے گی اور نیشنل مدرسہ ماڈرنائزیشن پروگرام شروع کرے گی۔“

اس مختصر سے اعلان میں کوئی ایسی بات نہیں جو قابل ذکر ہو اور جس سے اقلیتوں کی پسماندگی کے تئیں نئی حکومت کی فکر مندی کا اظہار ہوتا ہو۔ اس اعلان کو رسمی یا خانہ پری سے تعبیر کیا جا سکتا ہے تاکہ اہل ملک اور دنیا کے سامنے یہ تاثر جائے کہ یہ ایک سیکولر حکومت ہے جو تمام فرقوں کی بہبود اور ترقی کے لیے کوشاں ہے۔

تاہم مدارس سے متعلق مودی حکومت کی فکر مندی چہ معنی دارد؟ نیشنل مدرسہ ماڈرنائزیشن پروگرام کا اعلان دراصل ایک تیر سے دو نشانے لگانے کی کوشش ہے۔ ایک یہ تاثر دینا کہ مسلمانوں کی اکثریت جدید یا عصری تعلیم حاصل نہیں کرتی، یہی ان کی پسماندگی کی وجہ ہے، دوم یہ تاثر دینا ہے کہ وہ مدارس کے نظام میں اصلاح کے لیے کوشاں ہے جس کا مطالبہ فرقہ پرست تنظیموں اور عناصر کی طرف سے کیا جاتا ہے۔ نئی حکومت بننے کے چند دن بعد آر ایس ایس کے رہنما اندریش کمار نے، جن کا نام مبینہ طور پر دہشت گردی کے واقعات میں آ چکا ہے، جے پور میں کہا تھا کہ مدارس مذہبی جنون پھیلانے کی تعلیم دیتے ہیں۔ انہوں نے مطالبہ کیا تھا کہ مسلمان ایسے مدرسے قائم کر کے دکھائیں جو قومی یکجہتی کا درس دیتے ہیں۔ مدرسہ ماڈرنائزیشن پروگرام کو ہندو قوم پرستوں کی مربی تنظیم آر ایس ایس کے دیرینہ مطالبہ کے تناظر میں دیکھنا چاہیے۔

سچر کمیٹی کے مطابق مسلمانوں کا محض چار فی صد حصہ مدارس میں تعلیم حاصل کرتا ہے۔ ایک اور رپورٹ کے مطابق یہ تعداد ۱۵ رفیصد ہے۔ سوال یہ ہے کہ آخر بقیہ ۹۶ یا ۸۵ رفیصد مسلم آبادی کے لیے مودی سرکار کے پاس کیا پروگرام ہے؟ اس سے قطع نظر یہ سوال بھی اٹھتا ہے کہ مدارس کے لیے جدید کاری کا کون سا نیا پروگرام حکومت شروع کرے گی؟ یہ پروگرام تو نوے کی دہائی سے چلا آرہا ہے۔ اس میں کسی نئی بات کا کوئی اشارہ نہیں دیا گیا۔ بہرحال جملہ معترضہ کے طور پر یہ بات کہی جا سکتی

ہے کہ مسلمانوں نے جس طرح دین کا تصور محدود کر دیا ہے، اسی طرح انہوں نے تعلیم کا تصور بھی محدود کر دیا ہے، ورنہ آج یہ صورت حال نہیں ہوتی کہ ہر آنے والی حکومت کی "خصوصی عنایت" مدارس پر ہوتی۔ چنانچہ مدارس کی شکل میں مسلمانوں کے اصل تعلیمی مسائل سے صرف نظر کرنے کا ایک بہانہ مل گیا ہے۔

علاوہ ازیں نئی حکومت نے اقلیتوں کو ترقی کی دوڑ میں بھی شامل کرنے کا وعدہ کیا ہے تاہم یہ اعلان بھی مبہم ہے۔ اس سلسلہ میں بھی کسی لائحۂ عمل کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ یہ صرف ہوائی باتیں ہیں جن کا مقصد صرف دنیا کے سامنے اپنا سیکولر امیج پیش کرنا ہے۔ اگر مودی حکومت واقعی اس سلسلہ میں سنجیدہ اور مخلص ہے تو اسے مساوی مواقع فراہم کرنے کے لیے اقلیتوں کو ریزرویشن دینے اور مساوی مواقع کمیشن تشکیل دینے کا اعلان کرنا چاہیے تھا۔

صدر جمہوریہ کی تقریر میں جو دوسرا نکتہ اقلیوں کے متعلق بیان کیا گیا ہے، وہ فرقہ وارانہ فسادات کے سدباب کے سلسلہ میں ہے۔ حالانکہ فرقہ وارانہ تشدد ایک ایسا مسئلہ ہے جس سے پورا ملک متاثر ہوتا ہے۔ اس بارے میں صدر جمہوریہ نے کہا: حکومت بائیں بازو کی انتہا پسندی سے نمٹنے اور فرقہ وارانہ تشدد کے واقعات کے انسداد کے لیے ریاستی حکومتوں کے صلاح و مشورے سے ایک قومی حکمت عملی تیار کرے گی۔" تاہم اس بارے میں نئی حکومت کے وعدے پر زیادہ اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔

عام انتخابات کے اختتام پذیر ہونے کے بعد سے اب تک ایک درجن سے زائد فسادات ہو چکے ہیں۔ منافرت پھیلانے والے عناصر اور تنظیموں کے حوصلے اتنے بلند ہو چکے ہیں کہ پونہ میں ایک مسلم نوجوان پروفیشنل شیخ محسن صادق کو انتہائی بیدردی سے قتل کر دیا گیا۔ پونہ کے رکن پارلیمان نے محسن کے قتل پر انتہائی اشتعال انگیز بیان دیتے ہوئے کہا کہ ایسا ہونا ایک فطری ردعمل تھا جب کہ مظفر نگر فسادات میں ملوث ان کی پارٹی کے ایک ایم ایل اے نے ان کا مطالبہ تسلیم نہ کرنے پر نظم و نسق کا مسئلہ کھڑا کرنے کی دھمکی دی۔ ان واقعات کے تناظر میں حکومت کے ان اعلانات پر کون اعتبار کرے گا؟

چنانچہ اقلیتوں، کمزور طبقات، دلتوں اور دیگر طبقات کو اس حکومت کے وجود میں آنے کے حوالے سے جو خدشات لاحق تھے ان کے زائل ہونے کا امکان کم نظر آرہا ہے۔ ☆☆☆

(ص:۱۳ر کا بقیہ)........جو کتاب و سنت اور آثار صحابہ اور طریقۂ اسلاف کے اتباع کا نام ہے، انھیں دونوں کو جمع کرنے سے ہی دین مکمل ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ شخص جو صوفیت کا مدعی ہو اور طریقۂ اسلاف سے ہٹا ہوا ہو، یا سلفیت کا دعویدار ہو اور زہد و تزکیہ اور حب و معرفت سے آراستہ نہ ہو ، وہ نہ صوفی ہے اور نہ سلفی، بلکہ صحیح معنوں میں مومن بھی نہیں ہے۔

دوسرے لفظوں میں ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ جس نے تصوف اختیار کیا اور طریق اسلاف کا اتباع نہیں کیا، وہ گمراہ ہے، اور جس نے سلفیت اختیار کی اور زہد و تقویٰ اور اخلاق و معرفت سے دور رہا، وہ سرکش و خودسر ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ تصوف اسلام کا باطنی پہلو ہے، یہ مراقبہ یا مشاہدہ ہے جس کی طرف حدیث جبرئیل میں لفظ احسان سے اشارہ کیا گیا ہے۔ حدیث جبرئیل میں احسان کی تشریح اس طور سے کی گئی ہے:

أن تعبد الله كانك تر اه فان لم تكن تر اه فانه یر اك.

احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طور پر کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو، کیونکہ اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ بیشک تمہیں دیکھ رہا ہے۔ (صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب سوال جبرئیل عن النبی ﷺ)

یہ اس بات کی شہادت ہے کہ تصوف صوف پوشی نہیں ہے اور نہ ظواہر سے اس کا کوئی تعلق ہے۔ اس کا تعلق روح اور جذبات سے ہے۔ دوسرے لفظوں میں ایمان باطنی تصدیق، اسلام ظاہری عبادات اور احسان پاکیزہ احوال کا نام ہے۔ یہ باطن کی تطہیر ہے بشرطیکہ ظاہر بھی شریعت کے مطابق ہو۔ تصوف روح ہے جسم نہیں، سیرت ہے صورت نہیں، رقت اور آنسو ہے، ٹوپی اور عمامہ نہیں، بہر صورت یہ اسلام کا داخلی ، روحانی اور جذباتی پہلو ہے اور دین کے ارکان ثلاثہ میں سے ایک اہم رکن ہے، لیکن ان سب کے باوجود، بعض اسے باطنیت اور سریت کا طعنہ دیتے ہیں جو شریعت کے مخالف ہے، جبکہ بعض اسے بلند و بالا عماموں، اونچی ٹوپیوں، قبر کے چراغوں اور صوفیہ کے نغموں کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ یہ دونوں رجحانات حقیقی تصوف کے مخالف ہیں۔ ان میں پہلا تصوف کا ظاہری دشمن ہے اور دوسرا باطنی دشمن۔ اسلام کے اس باطنی پہلو کے احیا کے لیے جو شخص کمربستہ ہو اس پر واجب ہے کہ تصوف کو ان دونوں رجحانات سے آزاد کرائے۔ ☆☆☆

نقد و نظر

نام کتاب	:	قلمی رَشحات
مصنف	:	محمد ساجد رضا مصباحی
صفحات	:	۳۲۸
اشاعت	:	جمادی الآخرہ ۱۴۳۵ھ / اپریل ۲۰۱۴ء
پتہ	:	شعبۂ نشرو اشاعت، جامعہ صمدیہ، پھپھوند شریف، ضلع اوریا (یوپی)
مبصر	:	محمد طفیل احمد مصباحی

قلمی رشحات یا رشحاتِ قلم [قلم کی روشنائی] یہ قرطاس و قلم، علمی، فکری اور ادبی نگارشات کا ایک حسین اور روشن ترین استعارہ ہے۔ فکر و خیال میں جس قدر بلندی و گہرائی، احساس میں پاکیزگی، مطالعے میں وسعت اور قلم میں جتنی پختگی اور سلاست و روانی ہوگی، قلمی رشحات اتنا ہی موثر، گراں قدر، مفید اور لاجواب ہوں گے۔ گویا قلمی رشحات کی کامیابی قلم کار کی صلاحیت پر موقوف ہے۔ تحریر و قلم کے اعتبار سے قلمی رشحات کی اہمیت و افادیت مسلم ہے۔ صادق و مصدوق ﷺ کا فرمانِ عالی شان ہے: وزن حبر العلماء بدم الشهداء فرجح عليه. یعنی کل قیامت کے دن علما کے قلم کی روشنائی (قلمی رشحات) شہدا کے خون سے تولی جائے گی اور یہ روشنائی شہدا کے خون پر غالب آجائے گی۔ خوش بخت ہیں وہ حضرات جنھیں قلم کی دولت ملی اور تحریر کے ذریعہ دینی و ملی خدمات انجام دینے کا سنہرا موقع نصیب ہوا۔ وہ ہاتھ ہی کیا جسے قلم پکڑنے کا شعور نہیں، شاید اسی حقیقت کی ترجمانی کرتے ہوئے ایک عربی ادیب نے کہا ہے: لادية ليد لا تكتب. جو ہاتھ لکھنے سے محروم ہو، اس کی دیت و کفارہ نہیں۔

زیر نظر کتاب "قلمی رشحات" علمی، فکری، تحقیقی اور تنقیدی مضامین کا ایک بیش قیمت مرقع ہے۔ اس گراں قدر مجموعے میں کل پچاس منتخب مضامین شامل ہیں۔ یہ منتخب مضامین و مقالات ۲۰۰۶ء سے ۲۰۱۴ء کے درمیان سپرد قرطاس کیے گئے ہیں۔ اکثر مضامین ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور اور ملک کے دیگر رسائل و مجلات میں شائع ہو چکے ہیں۔ چند مضامین غیر مطبوعہ ہیں۔ مطبوعہ مضامین میں حسبِ ضرورت بعض مقامات پر حذف و اضافہ کیا گیا ہے۔ ایک کامیاب، عمدہ اور مفید کتاب میں جن لازمی امور کا پایا جانا ضروری ہے، وہ اس کتاب میں موجود ہیں۔ اسلامیات کا ذخیرہ، تحقیقات کی خوشبو، نظریات کی جھلک، شخصیات کا روحانی پیکر، سیاسیات کا پرتو اور نقد و نظر کی چاشنی، سب کچھ اس چھوٹے سے کوزے میں بند ہیں۔ ع:

ایک مرکز پہ سمٹ آئے ہیں جوہر سارے

قلمی رشحات کے مصنف محبِ گرامی حضرت مولانا محمد ساجد رضا مصباحی دام ظلہ العالی کے بارے میں راقم الحروف کا تاثر جو کل تھا وہ آج بھی ہے اور وہ یہ کہ مولانا موصوف موجودہ نسل کے علما میں اس جہت سے منفرد و ممتاز ہیں کہ وہ بیک وقت عالم و فاضل، حافظ و قاری، جامعہ اشرفیہ مبارک پور جیسے باوقار ادارے کے سند یافتہ مفتی، درس نظامی کے باصلاحیت مدرس اور رواں دواں قلم کے مالک ایک بہترین نثر نگار ہیں۔ نوجوان علما میں بیک وقت ان مذکورہ اوصاف کے حامل افراد خال خال ہی نظر آتے ہیں۔ ماشاء اللہ فکر میں پختگی، افہام و تفہیم میں ہنر مندی اور قلم میں سلاست و روانی ہے۔ جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں، اس کا حق ادا کر دیتے ہیں۔ یہ مجموعۂ مضامین موصوف کی علمی بصیرت اور تحریری لیاقت کا ایک بیش بہا نمونہ ہے۔

کتاب کی اہمیت و معنویت اور اس کا اجمالی تعارف حاصل کرنے کے لیے ذیل کا یہ اقتباس پڑھیے۔

مفکر اسلام حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی دامت برکاتہم العالیہ رقم طراز ہیں:

خوب اور بہت خوب ہے یہ "قلمی رشحات" کا مرقع جمیل۔ آپ نے ایک رنگ ہزاروں خوشبو والا محاورہ سنا ہوگا، اگر عہدِ حاضر میں اس کا پیکرِ جمیل دیکھنا ہو تو "قلمی رشحات" پر نظر ڈالیے۔ علم و فن، فقہ و بصیرت، تاریخ و سیاست اور نقد و نظر جیسے اوصاف کی جامع ہے، اس کی خوبیاں آنکھوں کو خیرہ کرتی ہیں، اور جیسے جیسے آپ پڑھتے ہوئے آگے بڑھیں گے، دل و دماغ معطر ہوتے چلے جائیں گے، یہ

گراں قدر مضامین مصنف (مولانا ساجد رضا مصباحی) کے وسیع مطالعے کے غماز ہیں۔"

کتاب ۶/ابواب پر مشتمل ہے (۱) اسلامیات (۲) تحقیقات (۳) نظریات (۴)شخصیات (۵) سیاسیات (۶)نقد ونظر (تبصرہ)

پہلا، دوسرا، تیسرا اور پانچواں باب کافی اہم اور لائق مطالعہ ہے۔ان چاروں ابواب کے سادہ خاکوں میں مولانا موصوف نے اپنی مہارتِ فن سے بڑا خوب صورت اور نکھرا ہوا رنگ بھرا ہے اور اس طرح ان ابواب کو زعفران زار اور علم و حکمت کا ایک قیمتی دسترخوان بنا دیا ہے۔ان ابواب کے منتخب مضامین میں مصنف کی فکری جولانی اور قلمی پرواز لائقِ دید اور قابلِ ستائش ہے۔اس میں دو رائے نہیں کہ مولانا اچھا لکھتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ یہ اچھوتا پن ان کی ہر تحریر میں دیکھنے کو ملتا ہے۔پورا مجموعہ فکر و بصیرت سے لبریز اور موصوف کے تعمقِ نظر کا ایک روشن ثبوت ہے۔

باب اول میں بالترتیب ۷/مضامین ہیں:

(۱)اسلام کمزور طبقات کے حقوق کا محافظ (۲) امم سابقہ میں ظہورِ قدسی کی بشارتیں (۳) تدوینِ قرآن: ایک علمی و تاریخی جائزہ (۴) مسلم مسائل کا حل: سیرتِ طیبہ کی روشنی میں (۵) حسد: معاشرے کا ایک ناسور (۶) تصوف: تعلیماتِ شاہِ جیلاں کی روشنی میں (۷) خطباتِ غوثِ اعظم کی عصری معنویت۔

باب دوم "تحقیقات" کے ضمن میں ۹/ گراں قدر علمی و تحقیقی مقالات حسب ذیل ہیں:

(۱) تفسیر طیبات بینات ایک تحقیقی مطالعہ (۲) تعمیر مسجد نبوی: تاریخی پس منظر (۳) تعظیم سادات اور اہلِ سنت کا موقف (۴) ہم سخن فہم ہیں، غالب کے طرف دار نہیں (۵) التصوف بین الإفراط والتفریط: ایک تحقیقی مطالعہ (۶) الغزالی بین ما دحیہ وناقدیہ: ایک تجزیاتی مطالعہ (۷) گلوبلائزیشن: تعارف، اہداف، اثرات (۸) فتاویٰ رضویہ کی طباعت و اشاعت میں فرزندانِ اشرفیہ کا کردار (۹) انقلاب ۱۸۴۷ء میں فارسی اخبارات کا کردار۔

باب دوم کے یہ تحقیقی مقالات و مضامین حد درجہ وقیع، کتاب کی جان اور مجموعے کی شان کہلانے کے مستحق ہیں۔گلوبلائزیشن کے اس دور میں گلوبلائزیشن کے عنوان پر اتنا عمدہ اور فاضلانہ مضمون راقم الحروف کی نظر سے پہلی بار گزرا ہے۔تعظیمِ سادات اور اہلِ سنت کا موقف، نیز مضمون "ہم سخن فہم ہیں..." میں مصنف کا حقیقت آشنا قلم پوری طرح نقطۂ عروج پر ہے اور فقہ و شریعت کا گوہرِ آب دار لٹاتا ہوا نظر آتا ہے۔

باب سوم کے تحت بھی ۹/ مضامین ہیں، ان میں سے ہر ایک قلب و نظر کو سرور بخشتا ہے اور ذہن و دماغ کو اپیل کرتا ہے۔اصلاحِ معاشرہ کے حوالہ سے یہ سارے مضامین بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔

(۱) کیا اتحادِ اہلِ سنت ضروری ہے؟ (۲) زنا کے بڑھتے واقعات اور ان کا سدِ باب (۳) طلبۂ مدارس تعلیمی سال کس طرح گزاریں؟ (۴) مساجد کی مرکزیت اور ائمۂ مساجد کی ذمہ داریاں (۵) طلبۂ مدارس میں تربیت کا فقدان کیوں؟ (۶) مسلمانوں میں اتحاد کا فقدان کیوں؟ (۷) ملی مسائل اور ہماری بے حسی (۸) تعطیلِ کلاس اور طالبانِ علومِ نبویہ (۹) ہندوستان میں دہشت گردی: بے لاگ تجزیہ۔

باب چہارم "شخصیات" کے تحت کل پندرہ مضامین ہیں، جن میں علامہ سعد الدین تفتازانی، ملا محمد حسن فرنگی محلی، علامہ فضل حق خیر آبادی، حافظ بخاری خواجہ عبد الصمد چشتی، حضرت خواجہ مصباح الحسن چشتی، حضرت شاہ حفیظ الدین لطیفی کٹیہاری، علامہ عبد العلیم صدیقی میرٹھی، جلالۃ العلم حضور حافظ ملت، حضرت علامہ سید محمد اکبر چشتی وغیرہ کے فضائل و کمالات اور حیات و خدمات پر مدلل انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔اپنے اکابر و اسلاف کے مزارات پر عقیدت و محبت کا پھول ہاتھ میں لیے مصنف نے جس انداز میں فاتحہ خوانی کی ہے، یہ خاص طور سے دیکھنے اور پڑھنے کے لائق ہے۔

باب پنجم میں سیاسیات کے چاروں مضامین عمدہ اور قابلِ قدر ہیں۔ (۱) کیا عالمِ عرب میں جمہوریت کی بحالی ممکن ہے؟ (۲) عورتوں کی سیاسی قیادت: ایک تجزیہ (۳) ہندوستان میں اقلیتوں کے مسائل (۴) ۲۰۱۴ء پارلیمانی انتخابات: مسلمان کیا کریں؟

ان مضامین کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا ساجد رضا مصباحی محض عالم و فاضل ہی نہیں بلکہ زمانہ شناس مفتی اور ایک سیاسی تجزیہ نگار بھی ہیں۔مجموعی اعتبار سے کتاب بہت ساری خوبیوں کی حامل اور پر از معلومات ہے۔تاہم ایک خامی یہ بھی ہے کہ پروف کی غلطیاں زیادہ ہیں۔امید ہے کہ آئندہ ایڈیشن میں یہ غلطیاں دور کر دی جائیں گی۔☆☆☆☆

منظومات

کیا کم ہے

از: عبدالحمید منیب جی، شمس العلوم، گھوسی، ضلع مئو

بفضلِ خالقِ کونین یہ احسان کیا کم ہے
رسول اللہ سے ہم کو ملا قرآن کیا کم ہے

فرشتے پھول برسائیں ہماری شان کیا کم ہے
معطر ہے درودِ پاک سے ایمان کیا کم ہے

چلے نقشِ قدم پر جو نہ بھٹکے راہِ حق سے وہ
صحابہ کی فضیلت میں یہی فرمان کیا کم ہے

یہ ہے قولِ نبی کہ بعد میرے ہوں گے یہ خلفا
یہ اعزازِ ابو بکر و عمر عثمان کیا کم ہے

یہ حنفی، مالکی و شافعی و حنبلی چاروں
عقائد میں ہے ان کا ایک ہی میزان، کیا کم ہے

ہو ذکرِ اولیا تو ہو نزولِ رحمتِ یزداں
حدیثِ مصطفیٰ یہ ہے، یہی اعلان کیا کم ہے

نگاہِ قلبِ مومن کی رسائی تو خدا تک ہے
یہ اعجازِ شعورِ دل ارے نادان کیا کم ہے

یہاں تقویٰ، قناعت، صبر کا بازار لگتا ہے
علاء الدین صابر کلیری کی شان کیا کم ہے

تصوف دیکھ کر سازِ عقیدت گنگناتا ہے
کچھوچھہ سے شہِ سمنان کا فیضان کیا کم ہے

شریعت میں فضیلت میں جھلک فاروقِ اعظم کی
مجدد الف ثانی کی نرالی شان کیا کم ہے

کیا دہلی میں قصرِ کفرِ اسماعیل خاکستر
مجاہد فضلِ حق برحق عظیم الشان کیا کم ہے

طریقت مرکزِ روحانیت پر ناز کرتی ہے
یہ ہے ساداتِ مارہرہ کی نوری شان کیا کم ہے

علی و فاطمہ، حسنین، غوثِ پاک کا یہ گھر
یہ برکاتی ہیں، اِس گھر کے چمن کی جان کیا کم ہے

سبق ہم کو دیا ولیوں بزرگوں کی محبت کا
امام احمد رضا کا اک یہی احسان کیا کم ہے

جو مسلک ہے صحابہ کا وہی ہے غوث و خواجہ کا
وہی مسلک رضا کا ہے، ارے نادان کیا کم ہے

رضا کے وار سے اوندھے گرے دشمن رسالت کے
وہابیت کی ٹولی میں مچا طوفان کیا کم ہے

یہ حق ہے باغِ اشرفیہ کے گل بوٹوں میں پنہاں ہے
شبیہِ غوثِ اعظم اشرفی کی جان کیا کم ہے

جھکا دیتے ہیں سر اپنا یہاں علمائے ربانی
نگاہِ حافظِ ملت کا یہ فیضان کیا کم ہے

سمندر علم کا ہم نے مبارک پور میں دیکھا
وہی تو ہے بشکلِ بندۂ منان کیا کم ہے

امیرِ دعوتِ اسلامیہ الیاس عطاری
یہ ارشد قادری کا دل نشیں عرفان کیا کم ہے

عدوئے حافظِ ملت عدوئے اعلیٰ حضرت ہے
پرکھ لیتا ہوں اس کی دیکھ کر مسکان کیا کم ہے

نہ کر بے قدر اپنا جبّہ و دستار اے ناداں
مبارک پور کی روٹی کا یہ احسان کیا کم ہے

مبارک پور کی ہی روٹیاں گھیریں گی محشر میں
لگاؤ گے جو اشرفیہ پہ تم بہتان، کیا کم ہے

حمیدِ بے نوا بھی ہے گنہ گاروں میں صف بستہ
ٹکیں نظریں محمد پر یہی پہچان کیا کم ہے

صدائے بازگشت

مکرمی! .... سلام مسنون

امید ہے آپ خیریت سے ہوں گے۔ منور عتیق رضوی کی کتاب "منکرینِ وسعتِ علمِ نبوی کا علمی و تحقیقی محاسبہ: تحقیقاتِ رضا کی روشنی میں" اور "مجلہ امام احمد رضا کانفرنس" (۲۰۱۳ء/۱۴۳۵ھ، ص:۴۳) بھی اس کتاب کے ساتھ آپ کی خدمت میں پیش ہے۔

آپ سے گزارش ہے کہ اس کتاب کا مطالعہ فرماکر اپنے تاثرات/ تبصرے سے ہمیں نوازیں۔ آپ کا یہ تحریری تبصرہ "معارفِ رضا" میں شائع کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کی طرف سے مارچ ۲۰۱۴ء کا "معارفِ رضا" جو کہ "پیر زادہ اقبال احمد فاروقی نمبر" ہے آپ کی نذر کیا جارہا ہے۔ امید ہے آپ اپنی توجہِ خاص سے نوازیں گے۔ شکریہ۔ والسلام، آپ کا مخلص

سید وجاہت رسول قادری تاباں
صدر ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی

ماہ نامہ اشرفیہ کے مضامین خوب تر ہیں

مکرمی! .... سلام مسنون

گزارش ہے کہ مئی ۲۰۱۴ء کا شمارہ دستیاب ہوا، سبھی مضامین خوب تر ہیں، دل چسپی سے شمارہ کا مطالعہ کیا، دل خوش ہوا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔ فقط

مولانا رضا حسین مصباحی، شاہجہاں پور

جامعہ اشرفیہ کا نصابِ تعلیم بہت جامع ہے

مکرمی! .... سلام مسنون

علم دین حاصل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ فرد اور قوم کی اصلاح ہو اور اپنی ذاتی زندگی بھی قرآن و سنت کے نور سے روشن و منور ہو۔ معاشرے کے تمام افراد کا عالم ہونا ضروری نہیں بلکہ کچھ ہی لوگوں پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی ہے کہ وہ پہلے دین کا علم حاصل کریں اور اس کے بعد دوسرے لوگوں کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیں۔ سورۂ توبہ آیت ۱۲۲ میں ہے "تو کیوں نہ ہو کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور واپس آکر اپنی قوم کو ڈر سنائیں اس امید پر کہ وہ بچیں" (کنزالایمان)

تاجدار کائنات محمد عربی ﷺ نے صحابۂ کرام علیہم الرحمۃ و الرضوان کو کتاب و حکمت کی تعلیم سے آشنا کرنے کے ساتھ ان کی اخلاقی و روحانی تربیت بھی فرمائی اور تعلیم و تربیت کا یہ نبوی طریقہ نسلاً بعد نسل منتقل ہوتا رہا اور منہاج نبوت سے بے شمار لوگ مستفید ہو کر چہار دانگ عالم میں اسلام کی شمع روشن کی۔ ائمۂ دین ہوں یا صوفیۂ کرام جن نفوس قدسیہ نے بھی تبلیغ اسلام اور دعوت کا فریضہ انجام دیا سب کے سب علم و عمل کے پیکر تھے اور جو کوئی ان کے قریب جاتا وہ بھی ایمان و عرفان کی دولت سے مالا مال ہو جاتا۔ دور جانے کی ضرورت نہیں ہے، آپ ماضی قریب کے علمائے دین اور مبلغین اسلام کی حیات کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ ان پاکباز ہستیوں کی زندگیاں تقویٰ و طہارت، خلوص و للّٰہیت اور جذبۂ دین پروری سے سرشار تھیں۔ خواہ علامہ فضل حق خیر آبادی ہوں یا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا، صدر الشریعہ ہوں یا سید نعیم الدین مراد آبادی، مفتیِ اعظم ہند ہوں یا محدث اعظم کچھوچھوی، مبلغ اسلام علامہ عبد العلیم میرٹھی ہوں یا محدث اعظم پاکستان علامہ سردار احمد لائل پوری، حافظ ملت ہوں یا مجاہد ملت، شارح بخاری ہوں یا فقیہ ملت (رحمہم اللہ تعالیٰ) ہمارے یہ سارے اسلاف علوم دینیہ و فنون متداولہ میں زبردست گہرائی و گیرائی رکھنے کے ساتھ ساتھ میدان عمل کے بھی شہسوار تھے۔ دین کے داعی و مبلغ کے لیے اولین شرط یہی ہے کہ اس کی زندگی علم و عمل سے لیس ہو۔ دونوں میں سے اگر کوئی ایک چیز بھی مفقود ہے تو ایسے عالم اور مبلغ سے بہتر کارکردگی کی امید نہیں کی جاسکتی۔ دعوت الی اللہ کے ساتھ نیکیوں کا خوگر ہونا یہ مزاج قرآن نے ہی دیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اور اس سے زیادہ کس کی بات اچھی جو اللہ کی طرف بلائے اور نیکی کرے اور کہے میں مسلمان ہوں" (حٰم سجدہ آیت ۳۳، کنزالایمان)

اب رہا یہ سوال کہ علم کے ساتھ عمل کا جذبہ کیسے پیدا ہو؟ تو یہ چیز ٹھوس تعلیم و تربیت پر منحصر ہے۔ جہاں تک مدارس کے نصاب تعلیم کا معاملہ ہے تو حالات زمانہ کے پیش نظر اس میں بہت کچھ تبدیلی کی جا چکی ہے۔ خاص طور سے جامعہ اشرفیہ کا نیا نصاب تعلیم جس کا نفاذ غالباً ۲۰۰۷ء سے عمل میں آچکا ہے بہت ہی جامع ہے۔ مگر افسوس صد افسوس! اہل سنت کے نصاب تعلیم میں یکسانیت نہیں ہے، بعض مدارس قدیم نصاب کے مطابق ہی تعلیم دینے پر مصر ہیں۔ ہر چند کہ کچھ ادارے فارغین مدارس میں داعیانہ فکر و کردار پیدا کرنے اور عصر جدید کے چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کے لیے شب و روز محنتیں کر رہے ہیں اور ان کی جدوجہد بار آور ثابت ہو رہی ہے مگر اہل سنت کے اکثر مدارس و جامعات میں پورے نظم و ضبط کے ساتھ تعلیم ہی نہیں ہوتی۔ یہ اور بات

ہے کہ ان مدارس سے علماے دین، مفتیان عظام، حفاظ کرام اور بہترین قاریِ قرآن ہر سال فارغ ہو کر نکلتے ہیں لیکن افسوسناک صورتحال یہ ہے کہ ان میں کی بڑی تعداد میں داعیانہ کردار ادا کرنے کے اوصاف نہیں پائے جاتے۔ درس گاہوں میں طلبہ کی حاضری صرف رسمی طور پر ہوتی ہے۔ مطالعہ، تحقیق اور اسباق کی تفہیم سے کوئی واسطہ نہیں۔ ہاں جب امتحان کی تاریخ قریب آتی ہے تو تھوڑی بہت محنت ضرور کر لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ طلبہ کی علمی استعداد دن بدن کم ہوتی جا رہی ہے۔ جب کہ طالب علم کا فرض بنتا ہے کہ وہ اپنے مقررہ نصاب پر پوری طرح حاوی ہو، نصابی کتابوں کو سمجھنے کے لیے ہر ممکن ذریعہ اختیار کرے اور اس سلسلے میں جو مشکلات پیش آئیں، انہیں اساتذہ کی رہنمائی میں حل کرے۔ وہ نہ صرف درسی کتابوں کا مطالعہ کرے بلکہ اپنے مطالعے کے دائرے کو وسیع کرے اور مختلف ذرائع سے معلومات فراہم کرے اور صحیح معنوں میں اپنے اندر علمی قابلیت کا ذوق پیدا کرے۔ درس و تدریس کے گرتے ہوئے معیار کے ذمہ دار اساتذہ بھی ہیں۔ کیوں کہ آج کل کے اساتذہ کو نہ تو مطالعہ کی فرصت ہے اور نہ ہی طلبہ کے مستقبل کی فکر۔ ہمارے مدارس میں تربیت پر بھی کوئی خاص توجہ نہیں دی جاتی۔ غیر شرعی و غیر اخلاقی کاموں کا ارتکاب طلبہ کا معمول بنتا جا رہا ہے۔ حالاں کہ مدارس میں زیرِ تعلیم طلبہ کا ہر کام شریعت کے دائرے میں ہونا چاہیے لیکن نہ تو انہیں تربیت دی جاتی ہے اور نہ ہی ان کی غیر شائستہ حرکتوں پر روک لگانے کے لیے موثر کارروائی ہوتی ہے۔ تربیت پر توجہ دی جاتی اور اساتذہ زندہ دلی کا مظاہرہ کرتے تو یہ نوبت ہرگز نہ آتی کہ طلبہ کو نماز کے لیے دوڑایا جائے۔ ذرا سوچیں! ایک بچہ تقریباً نو سال تک دینی ماحول میں پرورش پاتا ہے لیکن اس کی عادت نہیں بنتی کہ وہ از خود نماز کی پابندی کرے۔ ٹھوس عملی تربیت نہ ہونے کی وجہ سے فارغین مدارس جب بحیثیت امام و مبلغ دینی خدمات پر مامور ہوتے ہیں تو معاشرے میں وہ مقام نہیں بنا پاتے جو ان کے منصب کے لحاظ سے ہونا چاہیے شادی کی تقریبات میں عین نکاح کے وقت تصویر کشی ہو رہی ہے لیکن علما منع نہیں کرتے، انہیں یہ خوف ستاتا رہتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ نوشہ کے گھر والے ناراض ہو جائیں اور نذرانہ سے ہم محروم کر دیے جائیں۔ لوگ اگر کھڑے ہو کر کھا رہے ہیں تو اسی اسٹینڈنگ ماحول میں آج کل کے علما و ائمہ بھی کھاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ایسی صورت میں عوام کا دینی مزاج کیسے بنے گا۔ صدق مقال اور اکل حلال تقویٰ کی اساس ہیں مگر دور حاضر کے علما مذکورہ دونوں صفت سے عاری ہوتے جا رہے ہیں۔ زیادہ چندہ بٹورنے کے لیے سفراے دریغ جھوٹ بولتے ہیں منتظمین مدارس، ادارے کو ملنے والی رقم کا صحیح استعمال نہیں کرتے، مدرسین کو قلیل تنخواہوں پر گزر بسر کرنی پڑتی ہے۔ چند سالوں میں مالی خیانت سے متعلق کئی ایسے معاملات سامنے آئے ہیں جس کو سن کر دانتوں تلے انگلی دبانی پڑتی ہے۔ یہاں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ مدارس کو زکوٰۃ و صدقات کی رقم موصول ہوتی ہے جس کا استعمال حیلۂ شرعی کے بعد ہی درست قرار دیا گیا ہے لیکن مدارس کے اکثر نظما و ذمہ داران حیلۂ شرعی نہیں کراتے۔ اب جب ناجائز طریقے سے بچوں کی پرورش ہوگی تو ان پر دینی تعلیم کا کیا اثر ہوگا اور ان کے اندر داعیانہ فکر و مزاج کیسے پیدا ہوگی۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ فارغین مدارس میں داعیانہ اوصاف پیدا کرنی ہے اور شرعی اصولوں کی پاسداری کرانی ہے تو پہلے اساتذہ کو اپنی منصبی ذمہ داریوں کو بحسن و خوبی نبھانا ہوگا، اخلاقی قدروں کا امین و پاسبان بنانے کے لیے طلبہ کی تربیت اسلاف کے طرز پر کرنی ہوگی اور منتظمین مدارس کو اپنے کاموں میں شفافیت لانی ہوگی، تبھی آپ اپنے تلامذہ سے بہتر توقع کر سکتے ہیں۔ فارغین مدارس بھی اعلیٰ اخلاق و کردار کا مظاہرہ کریں۔ مادی منفعتوں کے لیے اپنے وقار کو داؤں پر لگانا علماے حق کا شیوہ نہیں عملی اعتبار سے علماے کرام کو ہمیشہ چاک و چوبند رہنا چاہیے تبھی معاشرے سے جہالت، غربت اور بدعملی کا خاتمہ ممکن ہے۔ خوش آئند بات یہ ہے کہ دعوت اسلامی اور سنی دعوت اسلامی کے زیر اہتمام ایسے کئی ادارے قائم ہو چکے ہیں جہاں تعلیم کے ساتھ تربیت پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے اور ابتدا ہی سے سنتوں پر عمل پیرا ہونے کے لیے طلبہ کی ذہن سازی کی جاتی ہے۔ ان اسلامی تحریکوں کے تجربات سے مدارس اہل سنت کو فائدہ اٹھانے کی ضرورت ہے۔ اگر اس جانب توجہ نہیں دی گئی تو آہستہ آہستہ دینی مدارس کا تشخص ختم ہو جائے گا اور ہمیں پتہ بھی نہیں چلے گا۔ فقط

مولانا محمد عرفان قادری
مدرسہ حنفیہ، ضیاء القرآن شاہی مسجد بڑا چاند گنج لکھنؤ
firangimahel@gmail.com

مدارسِ اسلامیہ کا گرتا تعلیمی گراف

مکرمی!.............................سلام مسنون

آج بڑے افسوس کے ساتھ ماتم کرنے کو جی چاہتا ہے کہ درجنوں کی

تعداد میں دستار فراغت دینے والے مدارس اسلامیہ کی اکثریت اپنا مقصد وجود اور اپنی اہمیت و افادیت کھوتے جارہے ہیں، ماہ خیر و برکت، رمضان المبارک میں چندہ برائے دھندہ کے حصول کے لیے سال بھر اپنی مفلسی کا سرعام پرچار کرتے ہیں اور اپنے عزت و وقار کو پامال کرتے ہیں، شعبان المعظم کا مہینہ شروع ہوتے ہی پڑھائی لکھائی بر طرف ، ”صرف اور صرف قرآن خونی ہی قرآن خوانی “گویا کہ ماں باپ نے بچوں کو پڑھنے لکھنے کے لیے مدرسہ میں نہیں بھیجا بلکہ صرف اور صرف قرآن خوانی ہی کے لیے وقف کیا ہے۔ اور ابھی سے ہی ان میں جلب منفعت (حصول مال وزر) کا شوق پروان چڑھایا جاتا ہے اس کا منفی اثر ہوا کہ مدارس کے طلبہ کو تیجا، چالیسواں اور برسی کے موقع سے قرآن خوانی کے لیے یاد کیا جاتا ہے ، اور شعبان المعظم کا مہینہ آتے ہی باقاعدہ پے درپے قرآن خوانی کا نہ رکنے والا سلسلہ امڈ پڑتا ہے اور محسوس ہوتا ہے کہ سال بھر کی ساری نیکیاں ایک دن میں حاصل کرلی جائیں گی، مدرسہ کی حیثیت نماز جنازہ پڑھانے اور نکاح خوانی کا مسکن تصور کیے جانے سے بڑھ کر نہیں، قال اللہ اور قال الرسول میں اپنی عمر کا بیشتر تعلیمی وقت صرف کرنے والے طلبہ مدارس سے متعلق عوام کا یہ ذہن بنا ہوا ہے کہ پڑھنے کے بعد ان کو بھی رسید لے کر چندہ کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے وغیرہ۔ اس سے قطع نظر کہ موجودہ فارغین کی اکثریت کس حد تک تعلیمی و تدریسی صلاحیتوں کی حامل ہے ؟ اور قوم ملت کے دینی و ملی تقاضوں سے کس حد تک عہدہ برا ہو سکتی ہے ؟ فارغ ہونے والے علما، حفاظ و قرا کی اکثریت یہ سمجھ بیٹھی ہے کہ بعد فراغت کسی مسجد کا امام یا کسی مدرسہ کا مدرس ہونا فرض ہے نہ مزید تعلیمی صلاحیتوں کے حصول کے لیے اعلیٰ تعلیمی ادارے کی جانب رخ کرنا ہے اور نہ ہی ”کسب معاش“ کے لیے دیگر جائز کام کاج یا تجارت وغیرہ کرنے کی سعی کرنی ہے ؟ ارباب مدارس ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر بتائیں کہ عوام الناس کے ساتھ ساتھ طلبہ مدارس کا یہ ذہن و فکر کس نے بنایا؟ کبھی ہم نے سوچا کہ آخر اس پسپائی کے اسباب و علل کیا ہیں ؟ اس کے پس پشت وہ کون سے عناصر ہیں جو مدارس اور اس کے فارغین کی اہمیت کو تہ و بالا کر رہے ہیں ؟ آخر کل تک ہمارے علم و حکمت کے شادیانے بجتے تھے اور آج مسلمان کہلانے والے لوگ ہی مدارس کے طلبہ کو گری ہوئی نظروں سے کیوں دیکھتے ہیں ؟ مدارس اسلامیہ کے گرتے تعلیمی معیار کو مندرجہ ذیل اصول وہدایات کی روشنی میں بہتر بنایا جاسکتا ہے۔

(۱) مدرسہ کو خود کفیل بنانے کے لیے خلوص وللّٰہیت سے کوشش کرنی چاہیے تاکہ بے روک ٹوک دین کا کام کیا جاسکے ۔ (۲) درس و تدریس کے دوران اساتذہ و طلبہ کو عشر اور چندہ وغیرہ کی وصولی کے خاطر بھیجنے کے بجائے ان کو پورے طور سے تعلیمی امور میں مصروف رکھیں اور مدرسہ کی مالی ضروریات کی تکمیل کے لیے الگ سے شعبہ قائم کیا جائے۔ (۳) مدارس کے نام پر قوموں سے چندہ اکٹھا کرکے ذاتی مصارف پر خرچ کرنے کے بجائے بچوں کی تعلیم و تربیت پر پورے طور سے خرچ کیا جائے۔ (۴) رشوت لے کر ”نا اہل“ اساتذہ کا انتخاب کرنے کے بجائے باصلاحیت اساتذہ کی تقرری کی جائے۔ (۵) مدرسہ کے طلبہ کو قرآن خوانی کے لیے باہر بھیجنے کے بجائے مدرسہ کے احاطہ میں بعد نماز فجر قرآن خوانی کا اہتمام کرنا چاہیے اور طلبہ کے باہر جانے سے ان کی تعلیم پر پڑنے والے منفی اثرات سے عوام کو آگاہ کیا جائے۔ (٦) محنتی اور باصلاحیت اساتذہ کو ان کی حسن کار کردگی اور امتحان میں پہلی پوزیشن والے طالب علم کو انعام سے نواز کر حوصلہ افزائی کرنا چاہیے۔ (۷) ماہر اساتذہ کے انتخاب میں اچھی تنخواہوں کا اہتمام کرنا چاہیے تاکہ دلجمعی کے ساتھ درس و تدریس کا فریضہ انجام دے سکیں (۸) ہر خطہ میں جامعہ کھول کر ”دستار فضیلت“ دینے کے بجائے جماعت خامسہ یا سادسہ تک ہی ٹھوس تعلیم دی جائے نیز فضیلت اور تخصص کے لیے ضلعی یا کم از کم ریاستی سطح پر اعلی مدارس کھولیں جائیں تاکہ طلبہ کے اندر نئے علمی، مسابقتی ماحول میں مزید کچھ کر گزرنے کا جذبہ پیدا ہو۔ (۹) عصری اسلوب تعلیم کی رعایت کرتے ہوئے درس نظامی اور اس میں رائج درسی کتابوں کو از سر نو مرتب کرکے نصاب نافذ کریں تاکہ طلبہ ادھر ادھر گشت کرنے کے بجائے ایک ہی مدرسہ میں دلجمعی سے علم حاصل کرسکیں (۱۰) زیر درس کتابوں کا بغور مطالعہ کرکے اساتذہ اور طلبہ کو داخل درس ہونا چاہیے۔ (۱۱) ارباب مدارس کو مدرسہ کے اصول و ضوابط پر پابندی سے عمل کرنا چاہیے اور درمیان سال کسی طالب علم کا داخلہ لینے سے گریز کرنا چاہیے۔

بلا شبہ جن ضروری باتوں کی جانب ارباب بست وکشاد کی توجہ مبذول کرائی گئی ہے اس پر اگر ہم نے اپنی انا کا مسئلہ بنائے بغیر سنجیدگی سے غور کیا اور اس پر عمل کرنے کی بھر پور کوشش کی تو آج بھی ہمارے مدارس اور ان کے طلبہ کا تنزل پذیر تعلیمی اوار خلاقی معیار ترقی میں بدل جائے گا اور دنیا میں ایک بار پھر ہماری ہی تہذیب و تمدن کا غلغلہ بلند ہوگا۔ فقط

(مولانا) محمد عارف حسین مصباحی، کنوینر تنظیم ابنائے اشرفیہ شاخ ہوڑہ
mdah.misbahi@gmail.com

خیر و خبر

جامعہ حضرت نظام الدین اولیا میں
سالانہ جشن داعیان اسلام کا انعقاد

نئی دہلی۔ جامعہ حضرت نظام الدین اولیا ذاکر نگر نئی دہلی کے سالانہ جلسہ دستار بندی بعنوان جشن داعیان اسلام ‘میں علمائے کرام نے مسلمانوں کو دین اسلام کے اعلیٰ مقاصد سے روشناس کراتے ہوئے اسلام کے آفاقی پہلوؤں کی طرف روشنی ڈالی۔ مولانا شریف الحسن قادری شیخ الحدیث مدرسہ زینت الاسلام کانپور نے اپنے خطاب میں کہاکہ اسلام دین اور دنیا دونوں کو ساتھ ساتھ لے کر چلنے کا نام ہے اور جس شخص نے ان دونوں کو اچھی طرح برتا وہ دنیا میں بھی کامیاب ہے اورآخرت میں بھی کامیاب رہے گا۔ انھوں نے مزید کہاکہ رسول گرامی وقار ﷺ کے بعد اب کوئی نبی نہیں آنے والا ہے، مدارس اسلامیہ کے فارغین علما اور صالحین اب اسلام کو فروغ دینے کا کام کریں گے اور جامعہ حضرت نظام الدین اولیا اس سلسلے میں عظیم خدمات انجام دے رہا ہے۔ قادری مسجد کے امام مولانا منظر محسن نعیمی نے اپنے خطاب میں امت مسلمہ کو حقیقی چیلنجز سے آگاہ کرتے ہوئے اس سے نمٹنے کے لیے صحیح لائحہ عمل بتایا۔ مولانا غلام رسول دہلوی نے عالمی سطح پر مسلمانوں کے مسائل سے روشناس کراتے ہوئے مسلمانوں کی صورت حال پر روشنی ڈالی۔ انھوں نے کہاکہ آج عالمی سطح پر اسلام کے خلاف دانستہ طور سازشوں کا جال بچھایا جاچکا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم عالمی سطح پر اسلام کے خلاف ہونے والی ان سازشوں کو سمجھ کر اس کا عملی جواب دیں تاکہ اسلام کی حقیقی تصویر منظر عام پر آسکے۔ جامعہ حضرت نظام الدین اولیا کے پرنسپل مفتی محمد رضا قادری مصباحی نے جامعہ کی تعلیمی اور ترقیاتی رپورٹ پیش کرتے ہوئے کہاکہ یہاں مدارس عربیہ کے فارغین دو سالہ کورس تخصص فی الادب والدعوۃ میں داخلہ لیتے ہیں جنھیں عربی اورانگریزی زبان وادب میں عالمی سطح پر دعوت وتبلیغ کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔ اس مدرسہ کے فارغین اب تک پوری دنیا میں پھیل کر خدمت دین متین میں مصروف ہیں۔ انھوں نے اس بات کا بھی اعلان کیاکہ جامعہ حضرت نظام الدین اولیا کے اندر واقع نظامی مسجد کی توسیع جاری ہے، مکمل طور سے تعمیر کے بعد اس میں باضابطہ جمعہ کی نماز بھی ادا کی جائے گی۔ اس موقع پر جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء کا سالانہ مجلہ ’کاروان رئیس القلم کا تاریخی ’خواجہ غریب نواز نمبر‘ کا اجرا ایڈوکیٹ اشتیاق ایوبی فریدی، مولانا محمد عرفان ازہری، مولانا شریف الحسن قادری اور مفتی محمد رضا قادری اور مفتی انوار احمد کے ہاتھوں عمل میں آیا۔ اس مجلہ کی علمی اور تاریخی حیثیت اس وجہ سے ہے کہ آٹھ سو سال کی تاریخ میں پہلی بار خواجہ غریب نواز کا شجرہ مبارکہ جو کپڑے کے مثل کسی چیز پر تحریر ہے، اس میں حضور ﷺ سے لے کر خواجہ غریب نواز تک کے تمام مشائخ کے اسما گول دائرے بنا کر لکھے گئے ہیں ۔ یہ نادر دستاویز اشتیاق ایوبی فریدی سجادہ نشیں خانقاہ اصدقیہ چشتیہ سہسرام کے توسط سے جامعہ کو ملا۔ اس مجلہ میں دوسری چیز وہ فرمان جاگیر ہے جو کسی بادشاہ کی طرف سے حضرت مخدوم اشرف جہاں گیر سمنانی کی خدمت میں پیش کیا گیا اور بادشاہوں نے ہر زمانے میں اس پر اپنی مہر تصدیق ثبت کی۔ یہ ۱۵۳ر بیگھے کی جاگیر کا فرمان ہے جس کو اس مجلہ میں شامل کیا گیا ہے۔ مجلہ کی رسم اجرا کے بعد مجلہ ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ جانشین مخدوم سمناں حضرت قائد ملت سید محمود اشرف اشرفی جیلانی دامت برکاتہم نے اس شمارہ کی پچاس کاپیاں بعوض نقد ہدیہ بذریعہ ڈاکٹر محمد احمد نعیمی اور تہذیب اشرفی ادا کرکے حاصل کیا۔ اس نمبر میں ہندوستان کی عظیم چشتی خانقاہوں کی خدمات و تاریخ پر ایک دستاویزی تحریر بھی شامل کی گئی ہے۔ جلسہ کی صدارت مفتی انوار احمد امجدی نے اور قیادت مفتی محمد رضا قادری نے اور نظامت سید خالد قیصر فردوسی نے انجام دی۔ اس موقع پر تخصص فی الادب والدعوۃ کے احمد رضا، صابر احمد، صغیر احمد، مشفق، ضیاء المصطفیٰ، مجاہد رضا، صلاح الدین، ضیاء قادری اور محمد رفیق کو سند دستار سے نوازا گیا۔ جب کہ شعبہ حفظ کے محمد شاداب، ثاقب ضیا، رضا علی، وسیم خان، راشد رضا، عادل اور محمد دانش کی دستار بندی عمل میں آئی۔ پروگرام کی نظامت مولانا سید قیصر خالد فردوسی نے کی جب کہ نعت خواں کی حیثیت سے انیس الرحمن امروہوی شریک تھے۔ **از: جامعہ نظام الدین اولیا، دہلی**

جامعہ عبداللہ بن مسعود کولکاتا میں
امام اعظم ابوحنیفہ سیمینار وانوار رضا کانفرنس

۱۶/۱۷ جون ۲۰۱۴ء جامعہ عبداللہ بن مسعود و دارالعلوم قادریہ

ضیاے مصطفیٰ، کولکاتا میں ۲۰؍واں سالانہ ،۲؍روزہ اجلاس بنام انوار رضا کانفرنس منایا گیا۔جس کی تقریبات میں سب سے اہم ”امام اعظم ابوحنیفہ ویلفیئر سوسائٹی“ کے زیر اہتمام ۔”امام اعظم ابو حنیفہ سیمینار“ کا پروگرام تھا۔جو پہلے دن صبح ۸:۳۰ تا ۱؍ بجے دن (قبل نماز ظہر) منعقد ہوا۔

سیمینار کی سرپرستی مولانا قاسم علوی، جنرل سکریٹری مجلس علماے مغربی بنگال اور صدارت علامہ عبدالمبین نعمانی مصباحی، مبارک پور نے فرمائی۔ جب کہ نظامت کے فرائض جامعہ کے استاذ مولانا قمرالدین مصباحی نے انجام دیے۔ پروگرام کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا، نعت خوانی کے بعد امام اعظم کی بارگاہ میں منقبت کے چند اشعار پیش کیے گئے۔ ناظم اجلاس نے شرکاے سیمینار کا تعارف پیش کیا، اور موصول ہونے والے مقالات کا اجمالی فہرست سامعین کے گوش گزار کیا۔

اس کے بعد شرکاے سیمینار نے اپنے اپنے مقالے پیش کیے جن میں مفتی شہادت حسین مصباحی، اڑیسہ۔ مولانا شعیب احمد مصباحی ،کشن گنج ۔مولانا وسیم اصغر اشرفی ،کولکاتا۔مولانا مہتاب عالم اشرفی، کولکاتا۔ مولانا مجاہد حسین حبیبی ،کولکاتا کے نام سرفہرست ہیں۔ دوران سیمینار دینی وعصری علوم کے ماہر پریسیڈنسی کالج، کولکاتا، کے پروفیسر، ڈاکٹر سجاد عالم مصباحی نے اپنے توسیعی خطاب میں سیمینار کے معنی و مطالب، اس کی اہمیت وافادیت، اصول وضوابط کے حوالے سے جامع اور انتہائی معلوماتی گفتگو فرمائی۔ قبل ازیں حضرت مفتی رحمت علی مصباحی سربراہ اعلیٰ جامعہ عبداللہ بن مسعود و دارالعلوم قادریہ ضیاے مصطفیٰ کولکاتا، نے اپنے خطبہ استقبالیہ میں امام اعظم پر منعقد اس سیمینا کی غرض وغایت بیان کرتے ہوئے تشریف لائے تمام مقالہ نگاروں اور مندوبین کا پرتپاک استقبال کیا۔ سیمینار کے اخیر میں حضرت علامہ عبدالمبین نعمانی نے اپنے صدارتی خطبہ میں مجلس انتظامیہ کو گراں قدر تاثرات سے نوازا، اور سیمینار کو مزید کارگر اور مفید تر بنانے کے لیے چند رہنما اصول بھی بتائے، اور ساتھ ہی جامعہ کے طلبہ واساتذہ اور علما کو بیش قیمت نصیحتوں سے نوازا۔ امام اعظم کی شخصیت پر ملک بھر کے ارباب قلم کے تقریباً ۴۰؍ علمی، ادبی، فکری و تحقیقی مقالات ومضامین موصول ہوئے ہیں، جن میں سے چند کے اسماے گرامی یہ ہیں:

علامہ عبد المبین نعمانی، مبارک پور۔ مفتی نظام الدین رضوی، مبارک پور۔ ڈاکٹر سجاد عالم مصباحی، کولکاتا۔ ڈاکٹر امجد رضا امجد رضوی، پٹنہ۔ مولانا نفیس احمد مصباحی، مبارک پور۔ مولانا صدرالوریٰ مصباحی، مبارک پور۔ مفتی ناظم علی مصباحی، مبارک پور۔ مولانا عرفان عالم مصباحی، مبارک پور۔ مولانا ساجد علی مصباحی، مبارک پور، مولانا اختر حسین فیضی، مبارک پور ۔ڈاکٹر سید ضیاء الدین نقشبندی، حیدرآباد۔ مولانا طفیل احمد مصباحی، مبارک پور۔ مولانا امام الدین مصباحی، گریڈیہ۔ مولانا اسلم رضا قادری، ناگور۔ مفتی اشرف القادری، نیپال۔ مولانا شہباز عالم مصباحی، مبارک پور۔ مولانا شاہد القادری، کولکاتا۔ مولانا ناصر حسین مصباحی، مبارک پور۔ مولانا مجاہد حسین حبیبی، کولکاتا۔ مولانا فیض رضا مصباحی، کولکاتا۔ مفتی شہادت حسین مصباحی دھام نگر۔ مولانا قمر عالم اشرفی، کچھوچھہ شریف۔ مولانا مہتاب عالم اشرفی، کولکاتا۔ مولانا وسیم اصغر اشرفی، کولکاتا۔ مفتی مختار حسین رضوی، کولکاتا۔ مولانا غلام نبی مصباحی گیا۔ مولانا حسان رضا مصباحی۔ مہتاب پیامی، مبارک پور۔ مولانا عارف حسین مصباحی۔ مولانا شعیب احمد مصباحی ۔ مولانا ریاض الدین مجاہدی ۔ مولانا مشتاق احمد مجاہدی، دیناج پور۔

اسی شب بعد نماز عشا، انوار رضا کانفرنس وجلسہ دستار بندی کا انعقاد ہوا جس کی سرپرستی صدر العلما حضرت علامہ محمد احمد مصباحی پرنسپل جامعہ اشرفیہ، مبارک پور نے فرمائی۔ حضرت مصباحی صاحب قبلہ نے اپنے خطاب میں عصر حاضر کے جلسوں اور کانفرنسوں کے متعلق چند مفید اور رہنما اصول بتائے، اور کلمات خیر سے تمام اساتذہ وطلبہ واراکین اور جملہ سامعین کو نوازا۔ اور حضرت ہی کے ہاتھوں جامعہ کے فارغین علما و قرا کو دستار بندی سے سرفراز کیا گیا۔ صلاۃ وسلام کے بعد حضرت مفتی نسیم مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور کی دعا پر جلسہ کا اختتام ہوا۔

نوٹ: مقالات کی کمپوزنگ اور ترتیب وتدوین کا کام جاری ہے۔ ان شاء اللہ جلد ہی دستاویزی شکل میں یہ اشاعت پذیر ہوکر آپ کے ہاتھوں میں ہوگا۔

از: جامعہ عبداللہ بن مسعود، ۹۲؍ ویسٹ چوباگا (اے؍۱۵ گلشن کالونی) کولکاتا ۷۰۰۱۰۰

رام پور میں جلسۂ دستارِ فضیلت

الجامعۃ الاسلامیہ، رام پور کا ۴۴؍واں اجلاس عام بسلسلۂ دستار

فضیلت نہایت شان و شوکت سے منعقد ہوا۔ جلسے کا آغاز صبح ۸/ بجے تلاوت قرآن کریم، حمد باری تعالیٰ و نعت سرور کونین سے ہوا۔ تقریری پروگرام میں مولانا سعید القادری مدرس شمس العلوم گھوسی نے اپنی تقریر میں علم کی فضیلت پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ تمام علوم کا سردار علم قرآن ہے۔ ہم نے قرآن کو پڑھنا، سمجھنا اور اس پر عمل کرنا چھوڑ دیا، اس لیے ہم ہر جگہ ذلیل ہو رہے ہیں۔ قرآن کے مطابق ہم خیر الامت بنا کر بھیجے گئے تھے، ہم نے ایسی حکمرانی کی تاریخ جس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے لیکن آج ہم اپنی کمزوری کے باعث محکوم بن گئے جو نہایت افسوسناک ہے۔ ہمیں اپنی حالت کو بدلنا ہو گا انشاء اللہ ہم پھر حکمراں ہوں گے اور اپنے انصاف سے اس دنیا کو جنت ارضی بنا دیں گے۔ مولانا شہاب الدین رضوی بریلوی نے اپنی تقریر میں الجامعۃ الاسلامیہ اور اس کے شعبۂ نسواں انوری جامعۃ المحسنات کی ہمہ جہت ترقی اور امت مسلمہ پر ان کے فیضان کو مختصر اً جامع انداز میں پیش کیا اور اس کے مخلص کارکنان اور اسٹاف کو سراہا۔ مولانا رضوان احمد نوری شریفی گھوسی نے سرکار دو عالم ﷺ کے اختیارات کا بیان کرتے ہوئے کہا کہ جب حبیب یمنی نے چاند کے ٹکڑے کرنے اور اپنی بیٹی کی صحت یابی کا مطالبہ کیا تو سرکار نے اپنی انگلی کے اشارے سے چاند دو ٹکڑے کر دیا اور اپنی توجہ سے اس کی بیٹی کو تندرست و توانا کر دیا۔ یہ معجزہ دیکھ کر وہ ایمان لے آیا۔ مفتی شعیب رضا نعیمی نے اہل سنت و جماعت کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ خدا کی وحدانیت کا اقرار، عشق رسول خدا، تعظیم صحابہ اور محبت اہل بیت اطہار رکھنے والا اہل سنت و جماعت سے ہے۔ ڈاکٹر محمود حسین بریلوی چیرمین عربک اینڈ پرشین ڈیپارٹمنٹ بریلی کالج بریلی نے اپنی تقریر میں کہا کہ اساتذہ کے خلوص اور محنتوں کا ثمرہ ہے کہ الجامعۃ الاسلامیہ آج محبان رسول سے جگمگا رہا ہے یہ عظیم الشان اجلاس اس بات کی علامت ہے اس ادارہ کی ترقی کے ساتھ یہاں کی سنیت بھی پختہ ہوئی ہے۔ قرآن کریم کی فضیلت پر تقریر کرتے ہوئے انہوں نے کہا یہ قرآن ہی ہے جس نے عرب سے عجم تک گورے کالے کو ایک جگہ جمع کر دیا۔ قرآن علوم و فنون کا مجموعہ ہے۔ دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب قرآن کریم ہی ہے۔ یہ قرآن کا معجزہ ہے کہ وہ حافظوں کے سینے میں محفوظ ہے۔ امام شعرانی کے مطابق قرآن تین ہزار علوم کا مجموعہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ ایک بار عصری علوم میں متوجہ دیکھ کر مولانا نقی علی خاں بریلوی نے اپنے بیٹے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا سے فرمایا: بیٹے قرآنی علوم پر نظر کرو عصری علوم خود بخود آ جائیں گے۔ اس کے بعد ناظم اعلیٰ جامعہ کی مجلس انتظامی اور مجلس اعلیٰ کے بلند حوصلہ مستقبل کے عزائم اور اب تک کی خدمات جلیلہ کو سراہا۔ اساتذۂ کرام کی جہد مسلسل اور محنت شاقہ کو داد تحسین پیش کی۔ سادات کرام، مشائخ عظام، علماے ذوی الاحترام، خواص و عوام اور جامعہ کے ساتھ ان کے اشتراک و تعاون کا شکریہ ادا کرتے ہوئے دعاؤں سے نوازا۔

درجہ تخصص فی الفقہ الحنفی والافتا سے فارغ ہونے والے ۶/ مفتیان کرام کو سند افتا اور درجہ حدیث شریف سے فارغ ہونے والے ۱۶ علماے کرام کو سند فضیلت اور جبہ و دستار سے مشائخ عظام، علماے کرام کے مقدس ہاتھوں نوازا گیا۔ افتا کی سند حاصل کرنے والوں کے نام اس طرح ہیں: سید محمد ذبیح اللہ بنگلوری، مفتی محمد وسیم احمد خاں رامپوری، مفتی عبد القدیر رامپوری، مفتی بلال احمد بلاس پوری، مفتی نوشاد عالم بلاسپوری، مفتی ظہیر الاسلام بنگالی۔ پہلی سند مفتی محمد شعیب رضا بریلوی، دوسری سند علامہ ڈاکٹر محمود حسین بریلی، تیسری سند مولانا شہاب الدین رضوی، چوتھی سند مفتی محمد نجف علی قادری رضوی، پانچوی سند مفتی علی احمد عثانی، چھٹی سند مولانا ولی محمد رضوی کے ہاتھوں سے دی گئی۔ ۲۷/ حفاظ کرام، ۱۶/ قراے عظام اور ۲۲/ ناظرہ خواں طلبا کل ۸۷/ طلبا کی دستار بندی کی گئی۔ از: حسیب احمد جمالی

☆☆☆☆

ماہنامہ اشرفیہ حاصل کریں
بلرام پور میں
مولانا محمد حارث مصباحی

مدرسہ عربیہ فیض العلوم پیپری بنگرھ، پوسٹ امو ابس
وایہ جڑوا، ضلع بلرام پور (یوپی)

الہ آباد میں
پبلشر غوثیہ

غریب نواز مارکیٹ، مرزا غالب روڈ، الہ آباد (یوپی)